سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ

پروفیسر محمد طفیل چودھری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی ○ پاکستان

پیر تصور علی سفری نقشدی رضوی

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ

تصنیف

پروفیسر محمد طفیل چودھری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ
مصنف	پروفیسر محمد طفیل چودھری
تاریخ اشاعت	جولائی 2010ء
زیر نگرانی	قاری اشفاق احمد خان
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
ایڈیشن	دوم
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	SH12
قیمت	-/175 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37225085-37247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

انتساب

اُن دیکھے خدائے واحد ولاشریک سے عشق ومحبت کے ان سچے جذبوں کے نام جن کی بدولت غلام ابن غلام سیدنا بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے تازیانوں کی پہنچ سے بہت دور ہو گئے تھے اور انسانیت کی انتہائی رفعتوں کو چھولیا۔

تقریظ

پروفیسر حافظ محمد مشتاق

بندۂ ناچیز نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نامی کتاب کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا۔ کتاب کو اپنے موضوع میں بہت جامع اور مستند پایا۔ اس موضوع پر مارکیٹ میں تقریباً نصف درجن کتابیں موجود ہیں لیکن یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے۔ دیگر کتب میں اگرچہ سیدنا بلال کی شخصیت کو موضوع بحث بنایا گیا ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کتاب کسی خاص پہلو کو ہی اجاگر کرتی ہے۔ اکثر کتابیں محض حضرت بلال کے فضائل پر ہی بحث کرتی ہیں۔ زیر نظر کتاب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کسی بھی لحاظ سے اس میں تشنگی باقی نہیں رہتی۔ سیرت بلال رضی اللہ عنہ کے جس پہلو کو آپ دیکھنا چاہیں اس کتاب میں تسلی بخش انداز میں اس پر کافی مواد مل جائے گا۔

مصنف کتاب شعبہ تاریخ میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں اور تحقیقی ذہن رکھتے ہیں۔ انہوں نے سیرت بلال پر نہایت معتبر کتب تاریخ، تفسیر و حدیث سے مستند حوالہ جات اکٹھے کئے ہیں جو کسی اور کتاب میں نہیں ملتے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب نہایت مستند بن گئی ہے۔ کتاب کے حسن کو نمایاں کرنے اور عام فہم اور دلپذیر بنانے کے لئے مصنف نے سیرتِ بلال کے ہر پہلو کو جلی سرخیوں سے نمایاں کر دیا ہے۔ حضرت بلال سچے عاشق رسول تھے اور حضرات صحابہ کرام میں اپنا ایک مخصوص مقام رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ بلال اسیدنا و مولیٰ سیدنا'' بلال ہمارے آقا ہیں اور ہمارے آقا (ابوبکر) کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اتنا محبوب بنا دیا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے بے حد محبت رکھتے تھے اور موذن رسول ہونے کی وجہ سے وہ ہر عام و خاص کی توجہ کو مرکز بن گئے تھے۔ آخرت میں ان کو جنت میں ایسا اعلیٰ وارفع مقام مل گیا تھا کہ معراج کی رات

جنت کی سیر کرتے ہوئے آقائے دوجہاں نے بلال کے جوتوں کی آہٹ کو جنت میں اپنے کانوں سے سن لیا اور واپسی آکر حضرت بلال کو خوشخبری دی کہ ''انی سمعت وخفق نعلیک فی الجنة'' بلال میں نے تیرے جوتوں کی آواز کو جنت میں سنا۔

مصنف کو اس عاشق رسول سے بے حد عشق ہے جو ان کی تحریر میں نمایاں ہیں۔ صحابہ کے ساتھ محبت ایمان کی علامت ہے۔ مصنف کو صحابہ سے عقیدت اور بے پناہ محبت ہے سیرت بلال کا آغاز ہی انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل سے کیا ہے۔ صحابہ کی یہ محبت اور حضرت بلال سے عشق انشاءاللہ مصنف کے لئے وسیلہ نجات بنے گا صحابہ کی محبت دراصل آنحضور ﷺ کی محبت کی فرع ہے جیسا کہ ارشاد گرامی ہے۔ ''جس نے صحابہ سے محبت کی اس نے میری محبت کی بنا پر ہی ان سے محبت کی''۔ پس بلال سے محبت صحابہ کی اور صحابہ سے محبت محبوب خدا ﷺ سے محبت کی دلیل ہے اللہ تعالی اس سچی محبت سے ہمارے قلوب کو منور فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اندھیرے میں ہر چیز سیاہ نظر آتی ہے۔ مگر روشنی کی یہ خوبی ہے کہ یہ ہر چیز کو روشن کر دیتی ہے بلکہ اس میں روشنی کی بدولت ایک خاص اور انوکھی سی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اسے خوبصورت اور پر کشش بنا دیتی ہے۔ خواہ وہ چیز سیاہ ہو یا سفید۔ یہ تو عام روشنی کی بات ہے۔ لیکن اگر معاملہ نور ہدایت اور نور ایمان کا ہو تو اس کی تاثیر ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس سے تو نہ صرف ظاہر بلکہ باطن بھی چمک اٹھتا ہے اور مقدر کا ستارا جگمگا اٹھتا ہے ہاں! انسان اگر پختہ طور پر روسیاہ ہو تو پھر اس پر نور ایمان اور نور ہدایت و رشد کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ ابولہبی اور ابوجہل کی جہالت کا اپنا ہی رنگ ہوتا ہے۔ ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ابولہب اور ابوجہل نور ایمان کی لذت سے کیوں محروم اور بے بہرہ رہتے۔ یہ نور ایمان کا ہی اثر تھا کہ حبشہ کے حبشی النسل سیاہ رنگت والے غلام ابن غلام بلال بن رباح پر ایمان کی روشن کی کرنیں پڑیں تو اس کے مقدر کا ستارا جگمگا اٹھا کہ دونوں جہاں روشن ہو گئے اور وہ مقام و مرتبہ ملا۔ کہ عرش والوں کو بھی یہ عظمت نہ مل سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاہ رنگت کے باوجود انکی خوبصورتی اور کشش کا یہ عالم کہ جنت کی حوروں کو بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال پر رشک آنے لگا لیکن کفر و شرک کی تاریکی میں غوطہ زن روسیاہ ان کے مقام و مرتبے اور عظمت کو نہ دیکھ پائے بلکہ ابولہبی ہمیشہ ان پر خندہ زن رہی ہے اور آج بھی اس کی یہی حالت ہے۔ ابولہب اور ابوجہل خواہ دور نبوت کا ہو یا آج کے دور کا وہ ابولہب اور ابوجہل ہی ہے۔ تحریک اسلامی کا مذاق اڑانا بلکہ اس کا راستہ روکنا اور بانی تحریک اسلامی اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام اجمعین خواہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کی شان میں گستاخیاں کرنا اور ان کے مراتب کو گھٹا کر پیش کرنا ہر ابولہب اور ابوجہل کی فطرت کا خاصہ ہے۔

ہر دور میں ابولہبی زندہ رہی۔ مکہ کے ابولہب اور ابوجہل مارے گئے تو مدینہ میں یہود

کے ابولہب سدراہ بنے۔ان کا صفایا ہوا تو عیسائیت کے نئے ابوجہل نے اہل ایمان کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔اس کا شہود اس وقت ہوا جب رسالت مآب ﷺ نے حدود شام کے عیسائی حکمران حارث بن الشمر غسانی کو دعوت حق کا پیغام بھیجا۔تو اس نے مشتعل ہوکر قاصد رسول ﷺ کو مدینہ پر حملہ کی دھمکی دی۔لیکن غصہ ٹھنڈا ہونے پر اس نے قاصد رسول ﷺ کو احترام سے رخصت کیا تاہم شرجیل بن عمرو حاکم بصریٰ نے آگ بگولہ ہوکر قاصد رسول ﷺ حضرت حارث بن عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا اس طرح مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین موتہ کے مقام پر پہلا معرکہ ہوا۔

شاید آپ سوچتے ہوں کہ ابولہب یا ابوجہل کے مرنے کے بعد ابولہبی کا خاتمہ ہوگیا یا پھر ابوجہل کے مرنے سے جہالت ختم ہوگئی۔نہیں ہرگز نہیں۔

ایک ابولہب کے مرنے پر دس یا دس سے بھی کئی گنا زیادہ نئے ابولہب نئے ابوجہل نئے انداز اور نئے روپ میں پیدا ہوتے ہیں۔اور نئے ناموں اور نئے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر اسلام کے مقابلہ میں آتے ہیں۔لہٰذا آئندہ ہم بھی ان کو نئے ناموں سے یاد کریں گے۔

بدل کے بھیس آتے ہیں پھر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات ومنات

موتہ کے مقام پر عیسائیت کے ناخداؤں اور اہل ایمان کے درمیان جس معرکہ آرائی کا آغاز ہوا۔وہ آج تک جاری ہے۔یہ ختم نہ ہونے والا سلسلہ کب تک جاری رہے گا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ابھی جزیرۃ العرب کے کفار اور مشرکین سے فراغت ملی ہی تھی کہ آنحضور ﷺ کا رحال ہوگیا،لیکن رحال سے قبل آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تکمیل دین کی بشارت کا مژدہ بھی سنا دیا۔رحلت نبوی ﷺ کے ساتھ ہی ایک کٹھن دور کا آغاز ہوا۔مشرق میں فرزندان ابلیس نے ایک نیا محاذ کھول دیا۔ایران کے آتش پرست اسلام کی شمع گل کرنے پر تل گئے۔انہوں نے عرب کے اندر باہر اہل ردت کو خوب ابھارا اور ان کی ہر طرح سے مدد

کی۔شام میں صلیب پرست بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیاریوں میں مصروف تھے۔اس طرح اسلام کے خلاف کئی محاذ کھل گئے۔

لیکن صرف ڈیڑھ صدی کے اندر اندر خلفاء راشدین اور ان کے جانشینوں نے اسلام دشمنوں کو ہر محاذ پر شکست دیکر مشرق میں ایران، ہندوستان، افغانستان، ترکستان اور شمال مغرب میں شام، مصر اور قسطنطنیہ یورپ میں اندلس تک کے علاقے فتح کر لئے عثمانی ترکوں نے تو قسطنطنیہ سے آگے بڑھ کر بلقان تک اپنا تسلط جما لیا اس طرح ایشیاء افریقہ اور یورپ کے بیشتر خطوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔جس کا اس سے قبل تصور کرنا ناممکن تھا۔اندلس میں صلیب پرستوں کی سازشیں کامیاب ہوئیں۔ان کے لاتعداد مظالم کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد افریقہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی۔لاتعداد مسلمانوں کو شہید کر دیا اور جو بچ گئے اور ہجرت کرنے سے معذور تھے وہ مجبوراً عیسائیت اختیار کر گئے۔

تاہم عثمانی ترکوں نے اندلس کے اس حساب کو بہت جلد پورا کر دیا۔اس کے باوجود بعض ممالک نے وہاں رہنے والے مسلمانوں پر بے حد و حساب مظالم توڑے۔لیکن اللہ کے فضل و کرم سے قابل حیرت حد تک اسلام آگے بڑھا اور مظالم پر غالب آیا۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اہل ایمان کی ہمدردیاں عیسائیوں سے ان کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے تھیں۔یہ وہ زمانہ تھا جب آتش پرست اہل فارس کے لشکر نے 614ء میں اپنے مخالف رومی حکمران ہرقل کی افواج کو بری طرح شکست دیکر شام کی وادیوں کی طرف دھکیل دیا۔تو مسلمانوں نے رومی عیسائیوں کی اس شکست پر انتہائی مایوسی کا اظہار کیا۔لیکن 625ء میں اسلام کے ابتدائی دور میں رسول اللہ ﷺ کے فدائیوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے مابین بھائی چارہ تھا تاہم کبھی کبھی علمی جدل اور بحث کی معرکہ آرائیاں ہو جاتی تھیں۔اس کے برعکس کافروں اور خصوصاً یہود کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف روز اول سے ہی منافقانہ اور دشمنی کے جذبات موج زن تھے۔جس کی سزا انہیں بھگتنا پڑی قرآن میں یہود کے دشمنانہ رویے اور عیسائی دوستی کا اظہار اس طرح

کیا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

"(اے محمد ﷺ) تم دیکھو گے کہ مسلمانوں سے سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے اہل ایمان کے قریب تر ان لوگوں کو قریب تر پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے"۔ (المائدہ)

قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم کا ذکر خیر بہترین انداز میں کیا گیا ہے۔ اس سے دونوں کی عزت و تکریم ثابت ہوتی ہے۔ سورہ مریم کی آیت نمبر 30 اس پر روشنی ڈالتی ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ عیسائیت کے علمبرداروں نے اس کے باوجود اسلام، بانی تحریک اسلامی اور انکے صحابہ کے خلاف تصادم اور ہزلیات کی روش قائم کر رکھی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام اور مسیحیت میں وجہ نزع (1) عقیدۂ توحید اور عقیدۂ تثلیث (تین خدا) ہے۔ مسلمان توحید پر پختگی سے ایمان رکھتے ہیں اور خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں جبکہ عیسائی عقیدۂ تثلیث کو مانتے ہیں۔

مسلمان تمام انبیاء کرام بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بندہ اور رسول مانتے ہیں جبکہ نصاریٰ نبی خاتم محمد ﷺ کی نبوت کو ہی تسلیم نہیں کرتے۔ نصاریٰ کا یہ بھی عقید ہے۔ کہ حضرت مسیح نے تمام عیسائی دنیا کی نجات کی خاطر اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال کر خود کو قربان کر دیا۔ لیکن مسلمان اس قصے کو تسلیم نہیں کرتے۔ دور نبوی میں ان عقائد پر مباحث اور مناظرے ہوئے لیکن جان لیوا دشمنی اور بغض کی نوبت نہ آئی۔ نصاریٰ نے آج تک اسلام اور عیسائیت کے درمیان فکری ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوئی تدبیر نہیں سوچی اور نہ ہی اسلام کے عقیدۂ توحید اور مسیح کی تعلیمات کے مابین مصالحانہ روابط پیدا کرنے کی کوئی راہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

بلکہ اس کے برعکس انہوں نے جہالت، تعصب، تنگ نظری اور دشمنی کی روش اختیار کی۔ اور انہوں نے اسلام، بانی اسلام اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے خلاف کیچڑ اچھالنا اور غلط پروپیگنڈا کو اپنا مقصد حیات ٹھہرا لیا ہے۔ اسلام سے واقفیت تو درکنار مغرب کا مزاج تو عیسائیت کی بنیادی تعلیم سے جزوی طور پر بھی ہم آہنگ نہیں۔ عیسائیت کی تعلیم تو یہ ہے۔ کہ زہد اختیار کرو اور دنیا سے کنارہ کش ہو جاؤ لیکن یہ تعلیم مغرب کے مزاج کے خلاف ہے۔ مغرب کے طبعی اور جغرافیائی حالات اور اقتصادی بد حالی کے پیش نظر جنگ و جدل انکی مجبوری تھی اور اب بھی ہے۔ پس نصاریٰ نے اسلام کی راہ میں ظالمانہ بند باندھنے کی کوشش کی پھر بھی اسلام قابل حیرت حد تک آگے بڑھا۔ اسلام کو نا قابل شکست قوت حاصل ہو گئی تو عیسائیت کے پیروکار بوکھلا گئے اور اپنے دلوں میں مستقل دشمنی کا کینہ لئے ہوئے مصروف جنگ ہو گئے۔ انہوں نے دین اسلام کی تعلیمات پر سیاسی نقطہ نگاہ سے غور کیا اور سمجھا کہ اگر دین اسلام غالب آ گیا تو انکا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ انکی وسیع و عریض سلطنت کو زمین بوس ہونا پڑے گا انہوں نے اہل ایمان کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ وہ موتہ کے میدان میں، پھر تبوک کے مقام پر دو لاکھ کے لشکر کے ساتھ معرکہ آرا ہوئے پھر جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مشرق و مغرب میں اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اندلس تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ فریقین نے شمشیر و سناں اور توپ و تفنگ آزمائے۔ پھر گیارھویں صدی عیسوی کے آغاز کے ساتھ ہی مغرب کے صلیب پرست نئے انداز اور نئے روپ میں مسلمانوں کے خلاف اپنے پادریوں اور پاپاؤں کی قیادت میں مذہب کے نام پر صف آرا ہوئے مسیحی متادوں نے صلیب پرستوں کے جذبات انگیخت کرنے کے لئے دین اسلام، سرور انبیاء ﷺ پر طعن و تشنیع اور گھٹیا قسم کے الزامات سے اپنی زبانوں کو آلودہ کرنا مسیحیت کا فریضہ سمجھ لیا یہ لوگ حضرت محمد ﷺ کے فرمودات اور قرآن پاک کی ان آیات کو بالکل نظر انداز کر گئے جن میں حضرت عیسیٰ کی اعلیٰ منزلت ان کو آسمان پر زندہ پہچانے تک رفعت کا ذکر بھی منقول ہے۔

دو صدیوں (1097ء سے 1292ء تک) کے عرصے میں ان گنت معرکے ہوئے۔ لاکھوں مسلمان تہہ تیغ ہوئے یہاں تک کہ جنونی صلیب پرستوں نے اپنے ہم مذہبوں کو بھی معاف نہ کیا۔ مغرب کے ان جنونی صلیب پرستوں کو کیسے انسانیت کا علمبردار کہا جا سکتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ انسانیت اور ہیومین رائٹس کا محافظ اسلام کا فرزند سلطان صلاح الدین ایوبی تھا؟ یا صلیب پرست اور ان کا بادشاہ رچرڈ؟ صلیبی جنگوں سے تھک ہار کر اہل مغرب نے تاجروں اور سوداگروں کا روپ دھار کر پوری دنیا کو سازشوں کے ذریعے غلام بنانے کا منصوبہ بنایا۔ یہ لوگ ہر طرف نکل کھڑے ہوئے ان میں ان کے علماء بھی تھے جس کا نمک کھایا اسی کو دھوکا دیا۔ جہاں قیام کیا وہاں پر قبضہ کر لیا حتیٰ کہ سترھویں صدی عیسوی تک ساری دنیا کو غلامی میں جکڑ لیا۔ انسانیت کے علمبردار ساری دنیا کے حکمران بن بیٹھے۔ پوری دنیا کو اہل مغرب نے نوآبادیات میں بدل دیا اس عرصہ میں ردعمل کے طور پر حریت پسند عناصر نے آزادی کی تحریکیں شروع کیں بے شمار چھوٹی موٹی جنگیں ہوئیں انسانی خون بہا لوگوں کے حقوق غصب ہوئے آخر کار صرف بیسویں صدی عیسویں میں دو بڑی عالمگیر تباہ کن جنگیں ہوئیں جن میں لاکھوں انسان مارے گئے جس کے نتیجہ میں مفتوح اقوام کو آزادی کی نعمت میسر آئی لیکن اہل مغرب نے دور اندیشی سے کام لیا ہر جگہ تعلیمی ادارے قائم کئے اور اپنے تربیت یافتہ چھوڑ گئے جو اپنے آقاؤں کی جگہ ان کے چیلوں کے طور پر کام کر رہے ہیں، اس طرح آج بھی پوری دنیا میں بالواسطہ اہل مغرب کی حکومت ہے۔
مسلمانوں کے دور زوال اور مغربی اقوام کے غلبہ کے عہد میں کلیسائی طبقہ ان کے مصنفین اور اہل قلم نے اسلام اور اس کے خلاف جدید تحقیق کے نام پر ایک تباہ کن فکری اور قلمی محاذ کھولا۔ اسلام کو مسلمانوں کے زوال کا سبب ٹھہرایا حالانکہ اسلام نے ہی عرب کے درندہ صفت صحرانشینوں کی تربیت کر کے انہیں نہ صرف انسانیت کی معراج پر پہنچایا بلکہ دنیا کا راہبر بنا دیا۔ مغرب کے سیاسی شعبدہ باز دانشور اہل قلم اور مصنفین دن رات اسلامی تعلیمات، بانی اسلام محمد ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کرام اور اہل ایمان پر طرح طرح کے

اتہام اور بہتان تراشیوں سے علمی اور فکری تخریب کاریوں میں مصروف ہیں۔ جس طرح ان کے اسلاف مصروف تھے۔ کل کی بات ہے کہ اہل مغرب نے صدیوں کی جہالت و تباہ حالی سے نکل کر کروٹ لی ہے لیکن آج وہ اسلام پر حرف گیری کرنے پر کمربستہ ہیں۔ در حقیقت اسلام پر لگائے جانے والے الزامات خود مغرب پر عائد ہوتے ہیں جو اتنی مدت علوم وفنون سے نا آشنا رہے۔ ان کے اسلاف کی جہالت کا تو یہ عالم تھا کہ ساری عمر غسل نہ کرنے والے عالم کو قابل فخر شخصیت سمجھا جاتا رہا۔ افسوس کہ مغربی دانشور مستشرقین اور محقق پہلے اپنے مذہب اور ماضی پر تحقیق کرتے۔ حیرت تو یہ ہے کہ مسیحی مصنفین مستشرقین (مشرقی علوم کے مغربی علماء) اور محقق دانشوروں نے اسلام پر تحقیق کئے بغیر اسلام اور بانی اسلام ﷺ کی ذات اقدس کے خلاف زہر افشانی کا آغاز کردیا۔

یہ سلسلہ نویں صدی کے نصف اول سے شروع ہوا۔ اس دور میں مسیحی تصنیف کتاب موسوم "فرینک لادرس فرانسہ" میں حضور اکرم ﷺ کو جادوگر، لٹیرا اور ریاکار کہا گیا۔ فرانسک مثل اور آنیو نے بھی نبی محترم ﷺ کی شان میں انتہائی نازیبا انداز میں حرف گیری کی ہے سترھویں صدی میں **Bell** نے حضرت محمد ﷺ کے خلاف دل کھول کر زہر افشانی کی۔ نظام اسلام میں قصاص اور تعداد ازواج کو حدف تنقید بنایا، بعض مغربی اہل قلم نے آپ ﷺ کو رومی راہب سے تشبیہ دی اور ایک مخبوط الحواس مصنف نے آپ ﷺ پر خدا بن بیٹھنے کا افتراء باندھا۔ جیرونوچن نے آنحضور ﷺ کے بارے میں لکھا کہ آپ ﷺ نے شراب کی مستی میں جان دی اور آپ ﷺ کی لاش مٹی کے ڈھیر پر ملی۔ مغرب کے مسیحی شعراء نے بھی مسلمانوں پر غلیظ انداز میں گند اچھالا اور آپ ﷺ کو لٹیرا، راہزنوں کا سردار، ریاکار، عیاش، ہوس ناک اور جادوگر کہنے سے دریغ نہ کیا۔ المختصر مغرب کے ان کینہ پرور، ھذیان گو، متعصب، مسیحی مصنفین کے ایسے ہزلیات مسلسل نشوونما پاتے رہے ہیں خصوصاً ان اہل قلم (۱) زولف ولوھیم (۲) نیکو اولیس (۳) وقیقس (۴) مراتشی (۵) ہونگر (۶) بلیانزر (۷) بریدو وغیرہ نے جو بیک زبان وحال اور اسلام کو مجموعہ الحاد وشیطانی

اعمال کا نتیجہ، مسلمانوں کو وحشی اور قرآن پاک کو متبذل لکھتے ہیں۔

بارھویں، چودھویں اور سولہویں صدی عیسوی میں ایمون لیون اور گیوم باسکل نے اسلام کو مختلف افکار و عقائد کے تضاد کا مجموعہ ثابت کر دکھایا۔ الیبسن برونزایل نے قرآن کے لاطینی ترجمہ کی صورت میں اسلام کو مسخ کرنے کی پہلی بار کوشش کی۔ ہر باسکل نے چودھویں صدی میں اسلام کی ابتداء پر قلم اٹھایا اور نوسان ہشتم نے اپنی تصنیف میں آپ ﷺ کو لامذہب ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مغرب کے بعض انصاف پسند اہل قلم نے کہیں کہیں اسلام کے بارے میں انصاف سے کام لیا ہے ان میں (۱) شول (۲) کوسان ہرشال (۳) الاذری (۴) لفستکیمیہ (۵) سپرنگر (۶) بارقلمی سانٹلر (۷) وکاستری (۸) کارلائل قابل ذکر ہیں۔

مغرب کے اسلام دشمن کینہ پرور اہل قلم، محقق اور دانشور صدیوں سے مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی میں مصروف ہیں دراصل یہ مصنفین جو اسلام کو مسلمانوں کے سیاسی زوال کا سبب قرار دیتے ہیں اسلام اور بانی اسلام ﷺ اور اہل ایمان پر بے بنیاد الزام تراشی کرتے ہیں ذہنی طور پر معذور ہیں۔ اس سازش میں اسلام کے دوست نما مسلمان مصنفین نے بھی اہم کردار ادا کیا جنہوں نے اسلام میں وہ باتیں داخل کر دیں جن کو اللہ اور رسول خدا ﷺ یکسر ناپسند فرماتے ہمارے تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم انکی نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر تحریر کردہ کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں آپ ﷺ کے دامن میں وہ سب ڈال دیا گیا ہے جسے دیکھ کر عقل شرما جائے۔ اسلام کے ان نادان دوستوں نے اپنی اختراعات کو اثبات رسالت میں مددگار سمجھ رکھا ہے حالانکہ ان سے نبوت کی نفی ہونی چاہیے یہی مخترعات ان مستشرقین کی دستاویز ہیں جو اسلام، بانی اسلام اور مسلمانوں پر طعن کرنا وظیفہ استشراق سمجھتے ہیں مستشرقین کی تحریروں میں اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے متعلق عیب جوئی کی بیماری اس حد تک دکھائی دیتی ہے کہ وہ دروغگوئی اس شاطرانہ انداز میں پیش کرتے ہیں کہ اس پر حقیقت کا یقین ہونے لگتا ہے ان کاذب مصنفوں کا مقصد درحقیقت

اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنا ہوتا ہے۔

مغربی استعماریت نے کلیسائی طبقے اور مستشرقین کو اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے خلاف زبان درازی کی نہ صرف شہ دے رکھی ہے بلکہ مسلمانوں میں سے بعض علماء اور کج فہم اہل قلم کو اپنی بغلوں میں دبا رکھا ہے۔ جن کی ہر تحریر سے خود اسلام شرمندہ ہے۔ ان علماء اور اہل قلم نے جو خرافات نبی کریم ﷺ کی ذات گرمی سے منسوب کرر کھے ہیں ان سے نہ صرف محمد مصطفیٰ ﷺ پشیمان ہے۔ بلکہ عقل بھی ان پر نوحہ کناں اور ذوق سلیم گریزاں و ماتم کناں ہے۔

کلیسائی اہل قلم اور مستشرقین کے بے بنیاد اور جھوٹ کے پلندوں کی تردید کے لئے غیور اہل قلم مسلمانوں نے دین اسلام اور بانی اسلام پر لگائے گئے الزامات کے منہ توڑ جواب دیئے ہیں لیکن دو رکاوٹیں ان کے استدلال کو درست ماننے میں پیدا ہو گئی ہیں۔

(۱) یہ کہ مسلمان اہل قلم جدید اسلوب تحقیق کے معیار پر اپنا مافی الضمیر کہنے میں پورے نہ اترے جس کو آڑ بنا کر اسلام دشمن مستشرقین نے ان کی تحریروں کو مسترد کر دیا۔

(۲) اسلام کے دوست مسلم اہل قلم کے اس گروہ کے بارے میں مغربی مستشرقین کی عیارانہ تحریروں نے مسلمانوں کے دلوں میں انکے خلاف یہ بدگمانی پیدا کر دی ہے کہ یہ لوگ ہی الحاد کی آبیاری کرر ہے ہیں جس سے مغربی اہل قلم کو مسلمانوں کی تحقیق کو غیر مستند کہنے کا جواز مل گیا۔

اسلام کے قدیم مدارس کے علماء نے اسلام دشمن اہل قلم سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر مخالفت اور دشمنی کا مظاہرہ کیا انہوں نے غیور اہل قلم مسلمانوں پر ملحد اور زندیق ہونے کا فتویٰ صادر فرما دیا۔ تو مسلمان نوجوان مستشرقین کی تصانیف پر اور بھی فریفتہ ہو گئے کیونکہ اسلام کی جس جس حقیقت سے مسلمان اہل قلم آشنا نہ ہو سکے اسے مغربی اہل قلم نے پوری طرح واضح کر دیا۔

کلیسائی اہل قلم نے اسلام اور بانی اسلام سے متعلق اُگلے ہوئے زہر کے خلاف

مسلمانوں کا جذبۂ نفرت فطری بات تھی۔ مغرب کے مستشرقین نے جب مسلمانوں کے اس جذبۂ نفرت کو محسوس کیا تو انہوں نے کلیسائی زہر سے بھی مہلک زہر تحقیق کی حلاوت و مٹھاس میں حل کر کے کبھی فلسفۂ ادب کے عنوان سے مسلمانوں کی رگ ایمان میں اتارا اور کبھی شعر وادب کے دلکش روپ میں ان کے دلوں میں سمو دیا۔

بلاشبہ مغرب کے دانشور، اہل قلم، محقق اور سیاسی شعبدہ باز اسلام اور اہل ایمان کے دشمن ہیں لیکن خود مسلمان ان اسلام دشمنوں سے بھی زیادہ اپنے دشمن آپ ہیں۔ صدیوں سے مسلمانوں پر تعصب اور جمود طاری ہے جس کے باعث ان کے ذوقِ سلیم اور اندازِ فکر پر جہل وحماقت کی دبیز تہیں جم چکی ہیں انہوں نے تحقیق و تدقیق کے دروازے اپنے لئے بند کر لئے ہیں۔ وہ نہ اپنے اسلاف کے عظیم الشان کارناموں سے آگاہی کے خواہاں ہیں اور نہ ہی ماضی کی عظمت رفتہ کا ان کو کچھ پتہ ہے۔ نئی نسل کو ترقی کی جدید راہ پر گامزن کرنے کے لئے ان کے پاس کچھ بھی تو نہیں۔ نئی نسل کیلئے کوئی اور راستہ نہیں کہ عصر حاضر میں ترقی کی شاہراہ پر چلنے کے لئے مغرب پر انحصار کریں۔ جب ان کو مغربی محققین، مصنفین اور دانشوروں کی تخلیقات اور تصنیفات کا مطالعہ کرنے کے مواقع ملیں گے تو ان کی تحریروں کا اثر بھی ان پر ہوگا۔ وہ مسلمان نوجوان جو مغرب کے دانش کدوں اور تعلیمی اداروں میں تربیت پاتے ہیں ان پر اسلام بیزاری اور اسلام دشمنی کا مغربی رنگ تو ضرور نمودار اور اثر پذیر ہوگا۔ مغربی مستشرقین کی تصانیف کے مطالعہ کے محرکات و موثرات ان مسلمانوں کے دماغوں پر سوار رہتے ہیں اور مغربی اہل قلم کو منصف مزاج سمجھ لینے کے بعد انکی باتوں کو دل میں اتارنے میں مشغول رہتے ہیں جس کا ایک ایک حرف اسلام، بانی اسلام اور آپ ﷺ کے اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نفرت پیدا کرنے میں تیر بہ ہدف ہے۔

اتفاق سے اہل علم و صاحب قلم دوستوں کی محفل میں مغربی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ایک مسلمان دانشور کو سننے کا موقع ملا جس کے نزدیک اسلام میں ہیومین رائٹس کا کوئی تصور نہیں اور پھر یہ کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مشہور زمانہ عدل گستر حاکم کے دور

خلافت میں شام سمیت وسیع وعریض علاقہ جات پر مسلمانوں کے قبضہ کے باوجود عاشق رسول سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت صحابی کو کوئی قطعہ زمین میسر نہ آسکا۔ اور یہ کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساری عمر بیوی کو ترستے رہے اور ان کی شادی نہ ہوسکی اور وہ یاس وحسرت کے عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

قابل حیرت بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کی سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زندگی خصوصاً انکی ازدواجی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات تھیں۔ اور بھی حیرت و تعجب کی بات ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسلام لانے والے ساتویں مسلمان تھے اور اسلام ظاہر کرنے والے پہلے مسلمان۔ آپ رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد چوبیس سال نبی اکرم ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ کی خدمت بجالاتے رہے۔ لیکن مسلمان اہل قلم نے ان کے حالات و واقعات اور خدمات کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔ چنانچہ اس ضرورت کے پیش نظر اس عظیم صحابی رسول ﷺ کے بارے میں حالات و حقائق جمع کرنے کی ادنیٰ سی کوشش مقصود ومطلوب ہے جس میں اہل علم کی مدد وتعاون کا طلب گار ہوں لیکن آپ ﷺ کی سوانح تحریر کرنے سے پہلے قرآن کریم اور احادیث نبوی کی روشنی میں شان صحابہ پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ صحابہ کرام کی عظمت کا نقش ذہنوں میں قائم ہو جائے اور سادہ لوح اہل ایمان کو نہ صرف صحابہ کرام کے مقام ومرتبہ کا صحیح ادراک ہو جائے بلکہ ساتھ ساتھ مغرب کے اسلام اور مسلمان دشمن اہل قلم اور مشرق کے کوتاہ اندیش ایمان فروش دانشوروں کی اسلام، بانی اسلام اور اہل ایمان پر دانستہ بہتان تراشیوں کا پتہ چل سکے۔ اسی مقصد کیلئے اگلے باب میں شان صحابہ کرام سے متعلق قرآن کی چیدہ چیدہ آیات اور چند احادیث مبارکہ تحریر کی گئی ہیں اور آخر میں خصوصاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شان عالیہ کے بارے میں سورہ انعام کی آیت نمبر (52) کے علاوہ احادیث نبوی کے تذکرے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

یہ کہنا سراسر بہتان اور بہت بڑا الزام ہے کہ اسلام میں ہیومن رائٹس کا تصور موجود

نہیں ہے۔سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ،صہیب رومی رضی اللہ عنہ،سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلام تھے۔اسلام نے ان کو آزادی کی بیش قیمت نعمت عطا کی بلکہ ان کی خوش بختی کے دروازے کھول دیئے غلاموں کو قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا تو ان میں سے باصلاحیت لوگوں کو کلیدی عہدوں پر فائز کیا گیا بلکہ ان میں سے بعض حکمران بنے۔طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر غلام ہی تو تھے پھر برصغیر پاک و ہند میں ایک عرصہ تک خاندان غلامان کی حکمرانی رہی یہ شرف اور عظمت صرف اسلام نے بخشی۔یہ کہنا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی درخواست کے جواب میں ان کو زمین کا ٹکڑا دینے سے انکار کر دیا سراسر غلط ہے اور خصوصاً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عدل وانصاف پر حرف گیری کے مترادف ہے۔سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ کی رقم بھی برابر ملتی رہی اور شام کے علاقے خولان میں سکونت کے دوران ان کو زرعی زمین بھی ملی ہوئی تھی جس پر وہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔سب سے بڑھ کر سفید جھوٹ یہ ہے کہ ساری عمر انکی شادی نہیں ہوئی۔سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں جن کا تفصیل سے ذکر آگے کیا گیا ہے۔

صرف اور صرف اسلام بانی اسلام اور اہل ایمان نے اولاد آدم کو انسانیت اور ہیومن رائٹس کا تحفہ دیا۔لیکن مغرب کے اہل قلم،دانشوروں،مستشرقین،محققین سیاسی مداریوں اور ان کے بعض سلمان رشدی جیسے ایمان فروش گماشتوں کو اسلام میں کوئی اچھی چیز نظر نہیں آتی کیونکہ اہل مغرب ہیومن رائٹس جمہوریت تحقیق اور آزادئ فکر کی آڑ میں پوری دنیا کو غلام بنانے کے چکر میں ہیں اور صرف اسلام اور اہل ایمان ہی مغربی استعمار کی راہ میں رکاوٹ نظر آتے ہیں۔مغرب کے ان مذموم عزائم کی تکمیل کیلئے مسلم ممالک کے منصوبہ ساز اداروں،مجالس قانون ساز اور مسند اقتدار پر جلوہ افروز بعض افراد کے علاوہ عالمی بینک اور آئی ایم ایف مصروف عمل ہیں اور انکی زبان سے بات کرتے ہیں۔

پروفیسر محمد طفیل چودھری

شانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

قرآن اور حدیث کے تناظر میں

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وہ قدسی صفات جماعت ہے۔ جس نے کلام اللہ اور اس کے پیغمبر کی تصدیق فرمائی۔ اس امانت کو اپنے مقدس سینوں میں محفوظ رکھا اور آنے والی نسلوں کی راہ نمائی کے لئے ان کو من وعن منتقل کیا۔ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور معیت کا شرف حاصل ہوا اور جنہوں نے جمال کو اس درجہ جذب کر لیا تھا کہ خاک سے پاک ہو گئے تھے اور وہ صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگے گئے تھے جو کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کے لئے حد درجہ حریص تھے۔ ان کے دماغ ارشادات نبوی ﷺ سے منور تھے صحابہ کرام وہ مقدس گروہ تھا جو محفل نبوی اور آپ ﷺ کی درس گاہ علم و حکمت کے فیض یافتہ اور پروردہ تھے جہاں آیات قرآنی کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی تربیت ہوتی تھی یہ وہ لوگ تھے جو اللہ کی رضا کی خاطر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے لئے ہر وقت کٹ مرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ جن کے ہاتھ میدان جہاد میں شمشیر بکف ہوتے اور پاؤں اللہ کے دین کی سربلندی کی خاطر راہ جہاد میں گرد آلود ہوتے۔ جن کے کان ہمہ وقت حکم ربی پر گوش بر آواز ہوتے اور معلم کتاب و اخلاق کے فرمودات کو اپنے لوح ذہن پر محفوظ کرتے جاتے۔ جن کی موت و حیات صرف اسلام کیلئے تھی۔

صحابہ کرام شمع رسالت ﷺ کے پروانے اور آسمان نبوت کے درخشندہ و تابندہ ستارے ہیں جنہوں نے جہالت اور ضلالت کے اندھیروں کو مٹا کر دنیا میں علم و تہذیب کی روشنی پھیلائی اور توحید کا پرچم بلند کیا۔ انبیاء کرام کی جماعت کے بعد یہی لوگ ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے برگزیدہ معزز و محترم اور محبوب بندے ہیں۔ اور جن کا مقام و مرتبہ اللہ

تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک بہت بلند ہے جیسا کہ قرآن پاک کی آیات اور احادیث مقدسہ میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ کسی کو بھی ان کے خلاف زبان درازی کی اجازت نہیں۔ گستاخ صحابہ کے لئے سخت سزا کا حکم ہے۔

شان صحابہ اور قرآن

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾

"بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوا جب وہ اس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جو ان کے دلوں میں ہے جانا، ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا"۔ (الفتح)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ (توبہ)

"اور (اسلام میں) سبقت اور پہل کرنے والے مہاجر اور انصار اور ان کی نیک روش اختیار کرنے والوں سے اللہ راضی ہوا۔ اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اور ان کے لئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے ہمیشہ ہمیشہ نہریں بہتی ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے"۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى

"تم میں وہ برابر نہیں جنہوں نے فتح (مکہ) سے قبل خرچ اور جہاد کیا۔ وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خرچ اور جہاد کیا۔ اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا"۔ (الحدید:10)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ (الحشر)

''(دیکھو) ان فقیر ہجرت کرنے والوں کو جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں، اور اللہ اور رسول کی مدد کرتے ہیں۔ وہی سچے ہیں''۔

وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕۚ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ (الحشر)

''جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا انہیں دوست رکھتے ہیں جو انکی طرف ہجرت کر کے آتے ہیں اور جو چیز ان کو دی اس کی اپنی حاجت اپنے دلوں میں نہیں رکھتے۔ اور ان کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کو خود شدید ضرورت ہو اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ جائیں وہی فلاح پانے والے ہیں''۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر:32)

''پھر ہم نے اپنے منتخب بندوں کو کتاب کا وارث بنایا''

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ (سورۃ التوبہ)

''اللہ نے نبی پر اور مہاجروں اور انصار پر توجہ کی جو مشکل وقت میں جبکہ بعض مسلمانوں کے دل ڈگمگا چکے تھے نبی کے ساتھ رہے، پھر ان پر متوجہ رہا وہ ان پر بڑا

ہی مہربان نہایت رحم والا ہے"

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸ (التوبہ)

"لیکن رسول اور جوان کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا ان ہی کیلئے بھلائیاں ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں"۔

شان صحابہ اور حدیث

(۱) اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِہْتَدَیْتُمْ

"میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔
(شرح مشکوۃ شریف مظاہرہ حق جلد ۱)

(۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَہَبًا یَبْلُغُ مُدَّ اَحَدِہِمْ وَلَا نَصِیْفَہٗ (متفق علیہ)

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" تم میرے صحابہ کو برا نہ کہو حقیقت یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کا ثواب میرے صحابہ کے ایک مد یا نصف مد کے ثواب کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا"۔ (مسلم و بخاری)

(۳) وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُسَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَہُمْ ثُمَّ اِنَّ بَعْدَہُمْ قَوْمٌ یَشْہَدُوْنَ وَلَا یُسْتَشْہَدُوْنَ وَ یَخُوْنُوْنَ وَلَا یُؤْتَمَنُوْنَ وَ یَنْذُرُوْنَ وَلَا یَفُوْنَ وَیَظْہَرُ فِیْہِمُ السِّمَنُ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ وَ یَحْلِفُوْنَ وَلَا یُسْتَحْلَفُوْنَ (متفق علیہ) وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ ثُمَّ یَخْلُفُ قَوْمٌ یُحِبُّوْنَ السَّمَانَۃَ

"اور حضرت عمران بن حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" میری امت کے بہترین لوگ میرے قرن (زمانہ) کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں (یعنی تابعی) اور پھر ان قرنوں کے بعد جن لوگوں کا زمانہ آئیگا ان

میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو خود بخود گواہی دیں گے اور کوئی ان کی گواہی نہ چاہے گا۔ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو خیانت کریں گے اور ان کی امانت و دیانت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ ایسے لوگ بھی ہونگے جو نذر مانیں گے اور اپنی نذر کو پورا نہیں کریں گے۔ اور ان میں موٹاپا فربہی پیدا ہوگی'' اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اور ایسے لوگ بھی ہونگے جو (بلا وجہ) قسمیں کھائیں گے حالانکہ ان کو قسم نہیں دلائی جائے گی۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ ان لوگوں کے بعد ایسے لوگ پیدا ہونگے جو موٹاپے یعنی فربہی کو پسند کریں گے''۔

(۴) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَظْهَرُ الْكِذْبُ حَتّٰی اَنَّ الرَّجُلَ لَيَحْلِفُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَ يَشْهَدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ اِلَّا مَنْ سَرَّهٗ بُحْبُوْحَةُ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْفَذِّ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ ثَالِثُهُمْ وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَةٌ وَسَاءَ تْهُ وَ سَيِّئَتُهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ (رَوَاهُ النِّسَائِیْ وَ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ وَ رِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِيْحِ اِلَّا اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْحَسَنِ الْخَثْعَمِیِّ فَاِنَّهٗ لَمْ يُخْرِجْ عَنْهُ الشَّيْخَانِ وَهُوَ ثِقَةٌ ثَبَتٌ)

'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میرے صحابہ رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم کرو کیونکہ وہ تمہارے برگزیدہ اور بزرگ ترین لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں یعنی تابعین پھر وہ لوگ جو ان کے (تابعین) قریب ہیں۔ یعنی تبع تابعین، اور اس کے بعد جھوٹ ظاہر ہو جائیگا، یہاں تک کہ ایک شخص قسم کھائے گا درآں حالیکہ اس سے قسم کھانے کا مطالبہ نہ ہوگا، اور گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی دینے کو نہ کہا جائے گا۔ یاد رکھو کہ جو شخص جنت کے بالکل

درمیان (کہ جو جنت کی بہترین جگہ ہے) رہنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ جماعت لازم پکڑے کیونکہ شیطان اس شخص کا ساتھی بن جاتا ہے جو علیحدہ اور تنہا ہوتا ہے۔ شیطان تو دو شخصوں سے بھی (جو اجتماعیت اور اتحاد کے ساتھ ہیں) دور بھاگتا ہے اور ہاں کوئی شخص تنہائی میں کسی غیر محرم عورت کے ساتھ ہرگز نہ ٹھہرے کیونکہ ان کا تیسرا ساتھی شیطان ہوتا ہے۔ (جو ان دونوں کو بھکانے سے ہرگز نہیں چوکے گا)"۔

(۵) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِیْ اَوْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ (رواه الترمذی)

"اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! اس شخص کو (دوزخ کی) آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہو یا اس شخص کو دیکھا ہو جس نے مجھے دیکھا ہو"۔ (ترمذی)

(۶) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اللّٰهُ فِیْ اَصْحَابِیْ اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ م بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَا هُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ فَیُوْشَکُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ

(رواه الترمذی و قال هذا حديث غريب)

"اور عبداللہ مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! اللہ سے ڈرو پھر اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کے حق میں۔ میرے بعد ان (صحابہ رضی اللہ عنہ) کو نشانہ ملامت نہ بنانا۔ (یاد رکھو) جو شخص ان کو دوست رکھتا ہے تو وہ میری وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے اور جو شخص ان سے دشمنی رکھتا ہے تو وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کے سبب ان کو دشمن رکھتا ہے اور جس شخص نے ان کو اذیت پہنچائی۔ اس نے

گویا مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس شخص نے مجھ کو اذیت پہنچائی اس نے گویا خدا کو اذیت پہنچائی اور جس شخص نے خدا کو اذیت پہنچائی تو وہ دن دور نہیں جب خدا اس کو پکڑے گا"۔

(۷) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی شَرِّکُمْ

(رواہ الترمذی)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کہو اللہ کی لعنت ہو تمہاری بری حرکت پر"۔(ترمذی)

حضرت ابن عدی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ:

اِنَّ اَشْرَارَ اُمَّتِیْ اَجْرَؤُهُمْ عَلٰی اَصْحَابِیْ

"بلاشبہ میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہ کے بارے میں گستاخ ہیں"۔(شرح مشکوٰۃ)

شان بلال رضی اللہ عنہ نگاہ باری تعالیٰ میں

ہر زمانہ میں مادہ پرست اور نخوت شعار لوگوں نے دولت وثروت کو ہی شرف ورذالت اور عزت وذلت کا محور اور معیار ٹھہرایا ان لوگوں کی روشِ کہن یہی رہی کہ مالدار کو رؤسا اور شرفاء کا نام دیا اور غریب ومفلس کو حقیر اور رذیل جانا۔ حالانکہ یہ عقیدہ ونظریہ سراسر باطل ہے۔ عظمت وبزرگی کا معیار مال ودولت کو ٹھہرانا دنیا پرست لوگوں کی خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہر زمانہ میں انبیاء کرام کی دعوت حق کے اتباع اور قبولیت میں پہل اپنی بصیرت اور اخلاق صالحہ کی بنا پر مفلس اور غریب لوگوں نے کی۔ اس کے برعکس مال ودولت کے نشے اور کبر ونخوت میں ڈوبے ہوئے رؤسا وشرفاء دعوت حق کو قبول کرنے سے باز رہے انہوں نے دعوت حق کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ دعوت حق کو قبول کرنے والے ضعفاء اہل ایمان کو رذال وانفار کہا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی دعوت کے متبعین غریب لوگوں کو اسی معیار سے رذیل کہہ کر یہ اعتراض کیا ہم ان رذیل لوگوں کے ساتھ نہیں ٹھہر سکتے اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی پیغام سنائیں تو ان غریب وغربا کو اپنے پاس سے نکال دیجئے۔

آنحضرت ﷺ کے ابتدائے تبلیغ کے زمانہ میں غالب تر حصہ ان مردوں، عورتوں اور غلاموں کا تھا جو کمزور اور نچلے درجے کے لوگ تھے۔ امیروں اور سرداروں میں بہت کم ایمان لائے تھے۔ ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ کیا قوم کے بڑے لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں یا غریب لوگ؟ تو ابوسفیان نے کہا تھا کہ ضعفاء اور غرباء زیادہ تر پیرو ہیں تو ہرقل نے کہا تھا رسولوں کی پیروی پہلے ایسے لوگوں نے کی۔ قریش کے ائمۃ الکفر ان مومن ضعفاء کا مذاق اڑاتے تھے اور تشدد کرتے تھے اور ان سے سخت نفرت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت

میں رؤساء قریش کی ایک جماعت آئی وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے تو شرفاء قریش نے کہا اے محمد ﷺ! کیا تم کو قوم کے یہ لوگ پسند ہیں؟ کیا یہی وہ لوگ ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر اللہ نے ان پر احسان کیا ہے؟ ہم ان کے گروہ میں مل کر کیسے تمہارے تابع بن سکتے ہیں تم انہیں پاس سے ہٹادو تو پھر ہم تمہاری پیروی کریں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے رفقاء کی شان و عظمت کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ (انعام)

" (اے نبی) اور ان لوگوں کو مت دور کر اپنے سے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی (خاص) خوشنودی چاہتے ہوئے ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں ورنہ آپ (ان کو) اپنے سے دور کر کے ظالموں میں سے ہو جائیں گے"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کو زور دیکر (تنبیہ کے انداز) ہدایت فرمائی ہے۔ یہ صحابہ کرام جو ہر وقت میری رضا جوئی کی خاطر مصروف عبادت رہتے ہیں میرے مقبول و محبوب بندے اور میرے خاص مقربین ہیں بظاہر تو مفلس اور غریب ہیں لیکن در حقیقت دولت ایمان سے مالا مال ہیں۔ اے نبی ﷺ قریش کے مال وجاہ میں مست اور مغرور و متکبر شرفاء کی خاطر ان معزز صحابہ کرام کو دور نہ رکھ جس کو یہ سرداران قریش محض غربت کی بناء پر حقیر سمجھتے ہیں۔ ان صحابہ کرام کی ظاہری خستہ حالی کی بناء پر ان کو ذلیل وحقیر سمجھنے کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ خدا کے نزدیک معزز شریف صرف حق شناس لوگ ہی ہیں جو

محسن کا حق پہچانتے ہیں تا کہ وہ جورات دن اپنے منعم اور محسن کی نعمتوں میں کھیلنے کے باوجود اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔لہٰذا ان لوگوں کی خاطر اپنا وقت ضائع نہ کریں اوران کی ایمان کی فکر میں ان معزز و محترم صحابہ کرام کے حقوق میں غفلت نہ ہو جو اللہ کی آیات پر ایمان لائے اور صبح وشام اس کی عبادت واطاعت میں سرگرم ہیں۔

ان آیات میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انداز میں واضح فرمایا ہے وہ یہ کہ سرداران قریش کے غرور پر ضرب کاری لگائی ہے۔صحابہ کرام کو حقیر سمجھنے والے شرفاء کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست مخاطب کرنا بھی مناسب نہ سمجھا اور بات ان کو مخاطب کرنے کی بجائے پیغمبر اعظم ﷺ کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے تا کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ اس قابل بھی نہیں۔ کہ ان کو براہ راست مخاطب کر کے ان کو جواب دیا جائے مطلب یہ ہے کہ لوگ بکواس کرتے ہیں ان کو بکواس کرنے دو اگر صحابہ کرام کا محفل نبوی میں بیٹھنا ان کے اسلام لانے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔تو وہ جس جہنم میں چاہیں گریں تم پر ان کی ذمہ داری نہیں جو خدا کے طالب بن کر تمہارے پاس آئے ہیں تم ان کو ہرگز نہ دھتکارو تمہاری ذمہ داریاں تم پر ہیں اور کل کو یہ تمہاری طرف سے ذمہ دارانہ ہونگے کہ تم انکی خاطر ان لوگوں (صحابہ کرام) کے حقوق نظر انداز کرو جو تمہاری توجہ اور شفقت کے اصلی حق دار ہیں۔

شانِ بلال رضی اللہ عنہ ارشادات نبوی کے آئینہ میں

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شخصیت خاص عظمت کی حامل ہے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فخر موجودات محمد ﷺ کی ذات گرامی سے بے پناہ محبت کے باعث شہرت دوام حاصل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول خدا احمد مصطفیٰ ﷺ کے سچے عاشق اور شیدائی تھے۔ دربار نبوی ﷺ سے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو موذن اسلام اور خازن وخادم سرکار (جناب رسول اللہ ﷺ) کا شرف حاصل ہے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ شمع رسالت کے پروانے اور جاں نثار صحابی تھے۔ آنحضور ﷺ کی نگاہ اقدس میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قدر ومنزلت اور عظمت کا اندازہ مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ سے بخوبی ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"بلال رضی اللہ عنہ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوگا"۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا! یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ سے بھی پہلے؟ فرمایا! ہاں مجھ سے بھی پہلے میں جس ناقہ پر سوار ہونگا اس کی مہار بلال رضی اللہ عنہ نے تھام رکھی ہوگی۔ اس طرح وہ مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم کیا شان ہے عاشق صادق کی اور اس وقت ان کی عظمت کا کیا عالم ہوگا جب یہ عاشق نبی محترم ﷺ کی قصویٰ کی مہار تھامے جنت میں معطر ومطہر فضاؤں میں داخل ہورہا ہوگا۔

۲۔ حضرت عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان (حالت کفر میں) کا گزر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قریب سے ہوا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ابوسفیان کو

دیکھ کر ان لوگوں نے کہا! ابھی اللہ تعالیٰ کی تلواروں نے اس دشمن خدا کی گردن کو نہیں اتارا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا! کیا تم قریش کے سردار کے بارے میں ایسا کہتے ہو؟ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ابوبکر رضی اللہ عنہ شاید تم نے ان لوگوں (حضرت سلمان رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کو ناراض کر دیا۔ اگر تم نے ان کو ناراض کر دیا ہوگا تو اپنے رب کو ناراض کیا ہوگا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس تشریف لائے اور فرمایا! میرے بھائیو! کیا میں نے تم کو ناراض کر دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ''نہیں'' ہمارے بھائی اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔ (مسلم شریف)

۳۔ ایک صبح حضرت بلال رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔

آنحضور ﷺ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کھانے میں شریک ہو جاؤ انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ ﷺ میں (آج) روزہ دار ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم اپنا رزق کھا رہے ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ کا رزق جنت میں محفوظ ہے۔ پھر فرمایا کہ اے بلال رضی اللہ عنہ کیا تمہیں علم ہے۔ روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح میں مشغول رہتی ہیں اور اس کے لئے استغفار کرتی ہیں جب تک اس کے پاس کچھ کھایا جاتا ہے (مشکوٰۃ شریف)

۴۔ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نماز فجر کے وقت فرمایا کہ اے بلال رضی اللہ عنہ مجھے بتاؤ کہ تم نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایسا کونسا عمل کیا ہے جس (کی قبولیت) کے متعلق دوسرے اعمال سے زیادہ امید رکھتے ہو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے تو کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو باقی تمام اعمال سے زیادہ امید دلانے والا ہو (البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ) بلاشک رات میں یا دن میں جب کبھی بھی میں نے وضو کیا تو اس سے اپنے مقدر کی (کچھ نہ کچھ) نماز (نماز تحیۃ الوضو) ضرور پڑھی۔ یہ سن کر

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اسی عمل کی وجہ سے تم کو یہ رتبہ ملا (یعنی جنت میں حضور ﷺ نے معراج کی شب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ سنی)۔

۵۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے قدموں کی چاپ (آہٹ) سنی۔ میں نے حضرت جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ (مسلم شریف)

۶۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

"اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَ الْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمِنٌ"

"امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امانت دار ہے"۔

شافع روز محشر جناب رسول اللہ ﷺ مسلم امہ کے پہلے امام ہیں اور سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پہلے مؤذن یعنی امانت دار ہیں۔

۷۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ضیاء النبی جلد سوم صفحہ ۳۹۸ پر رقم کیا ہے کہ حاکم نے وائلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خَیْرُ السُّوْدَانِ لُقْمَانُ وَ بِلَالُ وَ مُھْجِعُ"

ترجمہ: کہ سیاہ فاموں میں تین آدمی سب سے بہتر ہیں۔ لقمان، بلال اور مہجع

۸۔ مشکوۃ شریف کی شرح مظاہر حق جدید جلد پنجم صفحہ ۸۷۷ پر تحریر ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور بزرگی کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا:

"سابقین چار ہیں۔ میں سابق عرب ہوں، بلال رضی اللہ عنہ سابق حبشہ ہیں صہیب رضی اللہ عنہ سابق روم ہیں اور سلمان سابق فارس ہیں" (بخاری شریف)

۹۔ خیر الانام ﷺ فرماتے ہیں۔

"میں جنت میں سب سے پہلے داخل کیا جاؤں گا اور میرے ناقہ کی مہار تھامے بلال رضی اللہ عنہ مجھ سے آگے آگے پیدل چل رہا ہوگا"۔

تذکرہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ

قرآن کریم خداوند قدوس رب العلمین کی مقدس اور لاریب کتاب ہے جو قادر مطلق کل شی قدیر خدا نے اپنے محبوب پیغمبر نبی آخرالزماں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ پر تمام جہانوں کے جن وانس کی راہ نمائی خصوصاً فرزندان آدم (تمام اولاد آدم بشمول مرد وزن) کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی۔ خدائے عظیم اور حی وقیوم اس کا کلام بھی بے مثل اور لاجواب اور اس کا محبوب ترین پیغمبر ختم المرسلین جسے رب العلمین نے رحمۃ اللعالمین، اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعَا (الاعراف:158) اور كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا کے عظیم لقب اور فریضہ سے نوازا۔ بلاشبہ پیغمبر اعظم وآخر ﷺ سب جہانوں کے رہبر وراہ نما اور خدا کے محبوب ترین اور برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ پیغمبر اعظم وآخر ﷺ پر نازل کیا گیا کلام الٰہی اور محبوب خدا کی حیات طیبہ کا ہر عمل بنی نوع انسان کے لئے مشعل راہ ہے۔ کتنے عظیم المرتب اور ذی شان ہیں وہ لوگ جنہیں خدا کے آخری نبی، ختم المرسلین اور سرور انبیاء ﷺ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں اپنی مقدس کتاب میں آیات کریمہ نازل فرمائیں اور خود نبی محترم ومکرم نے اپنی زبان مبارک سے ان قدسی صفات صحابہ کرام کی تعریف اور عظمت بیان فرمائی اور ان کو بشارتیں دیں۔ پیغمبر خدا ﷺ کے جاں نثار اور جاں سپار صحابہ اکرم میں سے ہر ایک معزز ومحترم اور انتہائی قابل احترام ہے۔ لیکن ان میں سے سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو دربار خداوندی اور دربار نبوی ﷺ میں جو مقام ومرتبہ حاصل ہوا وہ مقام بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ ان کے قبول اسلام کے قبل اور بعد کے حالت وواقعات پر ایک نظر ڈالی جائے۔ تو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ خداوند کریم اور رسول اللہ ﷺ کے مقربین، سابقون الاولون اور محبوب ترین صحابہ کرام میں سے ارفع واعلیٰ مقام پر نظر آتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ کا شمار ابتدا میں مشرف

بہ اسلام ہونے والی برگزیدہ ہستیوں میں ساتویں نمبر پر ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ عظیم صحابی ہیں جن کو اسلام کے اولین مؤذن اور نقیب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ خوش نصیب ہستی ہیں جن کو سرور دو عالم ﷺ کے (ظہور قدسی سے لیکر رحلت تک) خادم و خازن ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی اہل بیت نبوی کے خادم باوفا تھے۔ مسجد نبوی اور خانہ کعبہ اور بیت المقدس میں سب سے پہلی اذان دینے کی سعادت و شرف آپ رضی اللہ عنہ کے حصے میں ہی آئی۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان صحابہ اکرم میں سے ہیں جن کے حصے میں سرداران قریش کے قہر و غضب، ظلم و ستم اور تشدد و تعذیب کا بڑا حصہ آیا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کے پرصعوبت اور خطرناک سفر میں آپ رضی اللہ عنہ نے چھ مردوں دو عورتوں اور تین بچوں کے قافلے کی رہبری اور قیادت کی۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں ابتدائی مرحلے سے تکمیل تک آپ رضی اللہ عنہ نے پرجوش حصہ لیا۔ تمام غزوات میں بھرپور شرکت فرما کر ایک عظیم مجاہد کا کردار ادا کیا۔

غزوۂ بدر میں شعبہ سپلائی (رسد کی فراہمی) کے آفیسر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ وہ سید المرسلین ﷺ کے اتنے قریب تھے کہ فجر کے وقت آپ ﷺ کو جگانے کا فریضہ ان کے ذمہ تھا۔ آنحضور ﷺ کی رحلت کے بعد رنج والم کے سبب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اتنے ناتواں ہو گئے کہ زینوں پر چڑھ کر اذان دینے کے اہل نہ رہے۔ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے تقریباً بارہ سال بعد ملک شام میں ان کا انتقال ہوا۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کے یہ خاص خاص پہلو ہیں لیکن صرف اتنا مواد کسی عظیم شخصیت کے تذکرے کے لئے کافی نہیں۔ خصوصاً سیدنا حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ جیسے بلند پایہ صحابی کی شخصیت کے لئے جو ایک خصوصی عظمت کی حامل ہے۔ جو اسلام لانے کے بعد سے رحلت تک چوبیس سال کے عرصہ تک حضور سرور کونین ﷺ کے ساتھ رہے۔

آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر واقعہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حیات

مبارکہ کا بھی واقعہ تھا۔ مختصر یہ کہ دور نبوی ﷺ کی پوری تاریخ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زندگی سے پیوستہ ہے۔ لیکن تعجب اور انتہائی حیرت کی بات ہے کہ بہت کم مسلمانوں نے ان کے بارے میں جاننے اور ان کی زندگی کے حالات و واقعات کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس کی۔

اس کی وجہ شاید لوگوں کے نزدیک انکی حیات مبارکہ کا غالب پہلو بے پناہ عشق رسول ﷺ ہو، اور لوگ ان کے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے دیوانہ وار محبت اور عشق صادق کے جذبے کے پیش نظر ان کی محبت میں اس قدر رکھو گئے کہ ان کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے متعلق جاننے اور لکھنے کو ضروری نہ سمجھا ہو۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے دیوانے اور سچے عاشق تھے رسول کریم ﷺ سے ان کی محبت کے جذبہ کو الفاظ کے پیمانے سے ناپنا بہت مشکل ہے۔ محبت کے اسی جذبہ سے بے پناہ شہرت دوام ملی، اور اسی جذبہ صادق کی بنا پر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے اس قدر محبت کی کہ وہ لوگوں کے جذبات میں اس طرح رچ بس رہے کہ کم لوگوں نے ان کی زندگی کے دیگر پہلوؤں پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس کی، اور عشق رسول ﷺ ہی سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پہچان بن گئی۔

شاعر مشرق حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا اور حبشی کو دوام ہے

حیف اور صد حیف کہ اسلام کے اس مایہ ناز سپوت، گوہر نایاب، خصوصی عظمت کی حامل شخصیت اور رسول اللہ ﷺ کے عاشق صادق کے حالات زندگی بہت کم لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شخصیت کی اہمیت کو اس دور جدید اور الحادی فضا میں اجاگر کرنے کے لئے ابتدائی ابواب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب

میں مقدس کتب کے حوالے سے ان کی حیات مبارکہ کے ان تمام حالات و واقعات کی تاریخی نکتہ نظر سے نقاب کشائی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو عام لوگوں کی نظر سے اوجھل اور پنہاں تھے۔ کتاب ہذا میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی تحریر کرتے وقت جذباتی انداز کے علی الرغم تحقیقاتی اعتبار سے جو واقعات درست ہیں کو ہی اس میں جگہ دی گئی ہے تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کو اصل واقعات اور حقائق سے آگاہی حاصل ہو اور وہ اغیار اور ایمان فروش اہل قلم کی اتہام اور بہتان طرازیوں سے متاثر نہ ہوں، اور ان کی مذموم سازشوں کا شکار نہ ہوں۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا حسب ونسب

آپ کا نام بلال کنیت عبدالکریم اور بعض کے مطابق آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور بعض لوگ کہتے ہیں ابوعمر۔ آپ کی والدہ کا نام حمامہ تھا اور والد کا نام رباح تھا۔ آپ کے ایک بھائی تھے جن کا نام خالد تھا اور ایک بہن تھی جن کا نام عقرہ تھا۔

الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی نے سیر الصحابہ جلد دوم صفحہ ۲۰۷ پر تحریر کیا ہے کہ آپ حبشی نژاد غلام تھے۔ مکہ میں پیدا ہوئے اور بنی جمح کے غلام تھے۔ لیکن ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی اپنی کتاب ''حضرت بلال رضی اللہ عنہ'' کے صفحہ ۱۴ پر رقم طراز ہیں کہ آپ کے خاندان کا تعلق ان قبائل سے تھا جو قدیم زمانہ سے حبشہ اور یمن کے درمیان آباد تھے۔ اس لئے ان میں کلیۃً ''حبشی وزنجی؟ اوصاف پائے جاتے تھے اور نہ ہی کلیۃً وہ سامی النسل کی خصوصیات کے حامل تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ مکہ میں پیدا ہوئے اور بعض کے قول کے مطابق آپکی جائے پیدائش سراۃ ہے۔

اسد الغابہ جلد دوم صفحہ ۹ پر مذکور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ مکہ کے مولدین (جو خاص عرب نہ ہوں) میں سے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ سراۃ کے مولدین میں سے تھے۔ بنی جمح کے غلام تھے۔ H.A.L کریگ کی کتاب ''بلال'' کے مترجم پروفیسر ڈاکٹر سجاد باقر رضوی نے صفحہ ۱۸ پر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبانی لکھا ہے۔

''میں نے ایک بار اپنے ماں باپ کو رنگوں کے بڑے بڑے برتنوں کی بھاپ میں کام کرتے ہوئے چمڑہ رنگنے والے احاطے میں دیکھا۔ میرے باپ کی بے پناہ قوت کو اس طرح نچوڑا گیا تھا اور وہ اتنی گھٹ گئی تھی کہ جو عمر پوری مردانگی کی ہونی چاہئے وہ اس کا بڑھاپا بن گئی۔ میری ماں کو کھانسی رہی تھی وہ ہمیشہ کھانستی ہی رہی تھی یہاں تک کہ کھانستے کھانستے اس کی جان نکل گئی''۔

آگے چل کر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اپنے والدین کے بارے بیان ہے کہ:

وہ بحیرہ احمر کے اس پار سے آئے ہوئے حبشی تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیسے غلام بنے یہ بات انہوں نے کبھی نہیں بتائی۔ فراموشی کے باعث یہ قابل برداشت ہوگئی تھی۔ حالانکہ میری ماں نے ایک بار کہا تھا کہ گو میں غلام پیدا ہوا لیکن میرا نطفہ آزادی کی حالت میں ٹھہرا تھا۔ لہٰذا یہ مجھے معلوم تھا کہ اپنی زندگی کی سب سے زیادہ پراسرار حالت یعنی صورت حمل میں، میں غلام نہیں تھا۔

بلاشبہ کتاب ''بلال رضی اللہ عنہ'' کی تحریر بڑی دلپذیر ہے اور مترجم پروفیسر ڈاکٹر سجاد باقر رضوی نے نہایت خوبصورت پرکشش اور دل میں اتر جانے والے انداز سے ترجمہ کیا ہے، لیکن مصنف اور مترجم نے کتاب میں دیئے گئے حالات و واقعات اور حقائق کا ماخذ اور ذریعۂ معلومات کا کہیں بھی حوالہ نہیں دیا۔ یہ انداز خوبصورت اور دل آویز تو ضرور ہوسکتا ہے لیکن تحقیق و تدقیق کے معیار کے برعکس اور متضاد ہے۔

تاہم یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آپ غلام تھے اور ان کے والد رباح حبشہ سے نقل مکانی کر کے جزیرۃ العرب میں سراۃ کے مقام پر آباد ہو گئے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کے والدین بعد میں مکہ میں آ گئے ہوں۔ بہر حال آپ مکہ میں پیدا ہوئے اگرچہ آپ کی جائے پیدائش کے بارے میں اختلافی روایات ملتی ہیں لیکن بنو جمح مکہ میں آباد تھے۔

سیارہ ڈائجسٹ جنوری ۱۹۹۵ (صحابہ نمبر) میں صفحہ ۱۲۲ پر تحریر ہے:

''آپ کے والد حبشی تھے۔ وہ اپنی اہلیہ حمامہ کے ہمراہ مستقلاً مکہ میں آ بسے تھے، اور قریش کے خاندان بنو جمح کی غلامی اختیار کر لی تھی۔ اس غلامی کی حالت میں بعثت نبوی ﷺ سے تقریباً اٹھائیس برس پہلے رباح اور حمامہ کے فرزند بلال رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو چاروں طرف کفر و شرک کی ضلالت کو محیط پایا۔ ان کا آقا امیہ بن خلف جمحی بھی مشرک تھا اس کی غلامی میں انہوں نے زندگی کے اٹھائیس برس گزار دیئے''۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مقام پیدائش کے بارے میں جس طرح اختلاف ہے اسی طرح انؓ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں بھی متضاد بیانات ملتے ہیں۔ مذکورہ بالا پیرہ میں ان کی پیدائش کے بارے میں تحریر ہے کہ آپ ظہور قدس سے اٹھائیس برس پہلے پیدا ہوئے۔ جبکہ سید محمد عامر گیلانی نے اپنی تالیف "عاشق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ" کے صفحہ ۱۴ پر تحریر کیا ہے کہ مستند ترین روایت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہجرت سے تقریباً ۴۳ برس قبل پیدا ہوئے۔ مؤلف موصوف نے اس کا ذکر کہیں نہیں کیا کہ یہ مستند ترین روایت کس کی ہے اس کا راوی اور ماخذ کیا ہے؟

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح کی کتب میں آپ کے حبشی النسل اور غیر حبشی ہونے کے موضوع پر بھی گرما گرم بحث پائی جاتی ہے۔ اوپر سیارہ ڈائجسٹ کے حوالے سے دیئے گئے پیرے میں انہیں حبشی النسل لکھا گیا ہے۔ اسد الغابہ میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے والدین کو مولدین کہا گیا ہے جس کا مطلب آپ کا خالص عرب ہونا ہے۔ سیر الصحابہ جلد دوم ۱۴ ۔ ۲۱۳ پر الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی نے طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ۱۴۹ کے حوالے سے لکھا ہے۔

"تواضع و خاکساری ان کی فطرت میں داخل تھی۔ لوگ ان کے فضائل و محاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے۔ میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا"۔

حلیہ

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حلیہ اسد الغابہ میں جلد دوم صفحہ ۱۳ پر اس طرح رقم ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ تیز گندمی تھا۔ آپ نحیف الجثہ تھے۔ پنڈلیوں پر گوشت کم تھا اور قد طویل تھا" طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث صفحہ ۱۷ پر بھی آپ کے حلیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ" آپ کا قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال خمدار، گھنے اور اکثر سفید تھے"۔

کتاب "عاشق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ" کے مؤلف ڈاکٹر سید محمد

عامر گیلانی نے بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر سائیس کی کتاب ''الاجناس القدیم'' کے حوالے سے حباش کے بارے میں لکھا ہے کہ حبشیوں یا کالوں کا چہرہ لمبوترہ اور نتھنے کشادہ ہوتے ہیں۔ ان کی ٹھوڑی سکڑی ہوئی ہوتی ہے مگر پتلی ہوتی ہے۔ ان کے دانت بڑے ہوتے ہیں! انکی عقل کی داڑھ جلد نکل آتی ہے لیکن دیر بعد ٹوٹتی ہے۔ ان کے ہونٹ موٹے اور بھدے ہوتے ہیں۔ انکی کھوپڑی پھیلی ہوئی اور بازو لمبے ہوتے ہیں۔ انکی پنڈلی کا گوشت موٹا اور بھدا ہوتا ہے۔ ان کے پیر کی ہڈی پھیلی ہوئی اور انگوٹھا اکڑا ہوا ہوتا ہے۔ فنون کی طرف ان کا میلان بالعموم کم ہوتا ہے البتہ گانے بجانے کا شوق رکھتے ہیں۔ غور و فکر کی دعوت انہیں زیادہ متاثر نہیں کرتی۔

اہل عرب اجناس اور انسانی نسلوں کے خدوخال کی بڑی پہچان رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اوصاف میں چپٹی ناک اور گھنگریالے بالوں کا کہیں ذکر نہیں کیا اور یہ دونوں صفات حامی النسل لوگوں میں پائی جاتیں۔

مؤلف موصوف نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ لکھا ہے کہ آپ کا رنگ تیز گندمی یعنی سیاہ تھا۔ جمہور کی رائے میں آپ حبشی مولدین میں سے تھے۔ نحیف جثہ اور طویل القامت تھے آپ کی آنکھیں سرخ انگاروں کی طرح چمکتی تھیں۔ رخساروں پر گوشت کم تھا۔ سینہ کشادہ تھا اور آواز بہت بلند اور بارعب تھی۔ آپ کے جسم پر کثرت سے بال تھے لیکن داڑھی مبارک ہلکی تھی۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کی سیاہی سر کے بالوں کی کثرت، گھنگریالے بالوں کا نہ ہونا، ناک کا چپٹا نہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آپ حبشی مولدین میں سے تھے۔ آپ کلیۃً حبشی وزنجی یعنی حامی النسل تھے اور نہ کلیۃً آپ سامی النسل تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ آپ والد کی طرف سے عرب اور ماں کی طرف سے غیر عرب تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے والد کا تعلق ان قبائل سے تھا جو قدیم زمانہ سے حبشہ اور یمن کے درمیان آباد تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے والد کا عرب ہونا اور

والدہ کا غیر عرب ہونا تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے والدین عرب تھے کیونکہ نسل کا تعلق اور شمار والد سے ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کے والدین کو عرب کہنا زیادہ درست اور قرین قیاس ہے۔ لیکن یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آپ کے والد حبشی النسل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤرخین نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ حبشی کا لفظ چسپاں کیا ہے یعنی آپ کو سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے خود آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح ایک غریب و ضعیف حبشی النسل تھے۔ اس طرح ان کی بحث سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا غیر حبشی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ابن سعد جو عربی النسل مؤرخ ہیں نے آپ کے بالوں کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بال خمدار تھے اور رنگ تیز گندمی تھا جو ان کے حبشی النسل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ تاہم ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی صاحب نے رنگ و نسل کی اس بحث کے آخر میں ایک خوبصورت نکتہ کو واضح انداز میں بیان کیا ہے کہ سیاہ فام لوگوں میں رنگ کی سیاہی جسمانی کھال کی گہرائی تک نہیں ہوتی بلکہ کھال کی اوپر کی جھلی تک محدود ہوتی ہے جسے ہم بشرہ کہتے ہیں لہٰذا محض جلد کے رنگ کا سیاہ ہونا کسی انسان کے کمتر یا اندر سے سیاہ ہونے کی علامت نہیں جس کی وجہ سے اسے کمتر سمجھا جائے۔

اسلام وہ پہلا اور منفرد مذہب ہے جس نے آج سے چودہ صدیاں قبل رنگ و نسل کے امتیازات کے بت پاش پاش کر کے اور کالے گورے، عجمی و عربی اور امیر و غریب کے فرق اور فاصلے مٹا کر اولاد آدم کے تمام افراد کو یکساں مقام و حیثیت عطا کی۔ اس کی مثال سرور انبیاء ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی جماعت ہے جس میں ایک طرف سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جیسے خلفاء راشدین اور اہل مکہ کے معزز ترین خانوادوں سے تعلق رکھنے والی ہستیاں ہیں، اور دوسری طرف انہیں نفوس قدسیہ کے درمیان شان و عظمت کے ساتھ زندگیاں بسر کرنے والے حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ، حضرت خباب رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ

عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور خصوصاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح بھی ہیں۔ جو ایک غریب وضعیف حبشی النسل غلام تھے۔

یہاں میں ایام جاہلیت کے غیر انسانی رویئے پر مختصر روشنی ڈالنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ اس دور میں جبکہ دنیا میں چاروں اطراف ضلالت وگمراہی کا دور دورہ تھا۔ عرب معاشرے میں غلاموں کی حالت بہت خراب تھی۔ عربوں کا جاہل طبقہ غلاموں پر انتہائی مظالم ڈھاتا تھا۔ ہر غلام کا حال اس غریب نادار اور محتاج سے بدتر تھا جو نسبی لحاظ سے رذیل وحقیر سمجھا جاتا تھا۔ ایسے لوگ ہمیشہ ظلم وتعذیب کا شکار اور سماج کی نفرت وحقارت کا نشانہ تھے۔ وہ کسی ایسے نظام کے منتظر تھے جس میں ان کی ان مظالم سے گلوخلاصی اور نجات کا سامان ہو۔ ایک ایسا نظام جو معاشی وسماجی عدل وانصاف اور اخوت ومساوات کا علمبردار ہو۔

صرف اسلام ہی وہ دین تھا جس نے ایسا ضابطۂ حیات پیش کیا جس نے پسے ہوئے مظلوم انسانوں کو ظالم کا ہاتھ توڑنے کا حق بخشا اور ان کو حیات نو عطا کی۔ صرف اسلام کی تعلیمات اور اخلاقی قدریں تھی جن میں دنیاوی اغراض سے قطع نظر عظمت وبزرگی کا معیار تقویٰ و پاک بازی قرار دیا۔ اسلام میں دیگر اقوام کی طرح عظمت کا معیار نہ غلامی وآزادی ہے نہ رنگ ونسل اور نہ دولت وثروت کے انبار۔ بلکہ جو شخص جتنا پاک باز، پرہیزگار اور متقی ہوگا اسلام کی نظر میں وہ اتنا ہی محبوب ومقبول اور پسندیدہ ہوگا۔ اسلام کے اسی ضابطے نے غلاموں اور مظلوموں کو آزادی اور نجات کی نعمت عظمیٰ سے ہمکنار کیا۔ بلکہ انسانیت کی رفعتوں اور انتہائی بلندیوں تک پہنچایا۔

سوچنے کی بات ہے آج بھی اسلام اور اسلام کی تعلیمات وہی ہیں جس سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ جیسے ان گنت مظلوم غلاموں کو آزادی کی نعمت ملی۔ لیکن آج امت واحدہ کو کن خفیہ ہاتھوں نے ۵۷ اسلامی ممالک میں منقسم اور اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اور امت مسلمہ کو فرقوں میں بانٹ کر ان کو آپس میں لڑایا جا رہا ہے۔ یقیناً آج پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو غلامی کی

زنجیریں پہنانے کے لئے کوئی پرعزم خفیہ ہاتھ اندھیروں اور سازشوں کا جال پھیلا کر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو غلامی کی زنجیریں پہنانے کے لئے بے تاب ہے۔ ہمیں اپنی آزادی اور عظمت رفتہ کی بازیافت کے لئے ضرور اس ہاتھ کا سراغ لگانا ہوگا ورنہ............

قبول اسلام

امیہ بن خلف بن وہب بن جمح کے سیاہ فام حبشی غلام بلال بن رباح کے اسلام لانے کے واقعہ کے ٹھوس شواہد نہیں ملتے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کس کی تبلیغ و ترغیب پر اسلام قبول کیا۔ سیرت و مغازی اور تاریخ کی مشہور اور مستند کتب اس بارے میں خاموش دکھائی دیتی ہیں۔ ابن ہشام کی شہرہ آفاق تصنیف ''سیرت النبی کامل'' مولانا ابوالکلام کی کتاب ''رسول رحمت''، نعیم صدیقی کی ''محسن انسانیت'' علامہ شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی کی ''سیرت النبی'' سید ابواعلیٰ مودودی کی ''سیرت سرور عالم'' محمد حسنین ہیکل مصری کی ''حیات محمد'' اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی ''تاریخ اسلام'' شاہ معین الدین احمد ندوی کی تاریخ اسلام ''ابن اثیر کی اسد الغابہ'' الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی کی ''سیر الصحابہ'' اخبار النبی المعروف طبقات ابن سعد، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کی کتاب ''ضیاء النبی'' اور تاریخ کی مشہور زمانہ مستند کتاب ''البدایہ والنہایہ کی شرح'' تاریخ ابن کثیر اور تاریخ و مغازی کی دیگر کتب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ لیکن ان کے اسلام لانے کے جامع اور درست طور پر تصویر کشی کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مسلم اہل قلم کی سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابی کے اسلام لانے کے واقعہ سے چشم پوشی نا قابل فہم اور مایوس کن طرز عمل ہے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنا اتنا ہی پر خطر اور موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا جتنا کہ دعوت حق کو قبول کرنا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے پہلے تین برس کے دوران دعوت اسلام کا کام خفیہ طور پر سرانجام دیا گیا۔ اور دعوت حق کے لئے ان لوگوں کا انتخاب کیا گیا جن کو حضور اکرم ﷺ کا قرب اور فیض صحبت حاصل تھا۔ اور جو لوگ آپ ﷺ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ دعوت حق پر ایمان لانے والے اولین لوگ

حضرت خدیجہ آپ ﷺ کی حرم محترم، حضرت علی رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کی آغوش شفقت میں پرورش پانے والے تھے، اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے علاوہ سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے بچپن کے دوست اور ہم نشین تھے۔

ان بزرگ ہستیوں کے علاوہ آغاز اسلام میں جن پاک باز اور سلیم الفطرت لوگ کو قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ وہ زیادہ تر غریب ومساکین اور غلام تھے۔ ان میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ، ان کے والد محترم حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت بلال بن رباح تھے۔ یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آپ ان سات سعید الفطرت ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے ایمان قبول کیا۔ صہیب رومی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت خباب بن الارت یہ سب کے سب مساکین تھے اور غلام بھی۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے۔ ان مساکین اور غریب لوگوں کی حیثیت (جنہوں نے دعوت حق پر لبیک کہا) زمانہ جاہلیت میں عرب معاشرہ میں کیا تھی خصوصاً روسائے قریش کے نزدیک ان کی قدر و قیمت کیا تھی۔ یہ غریب و مساکین لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی۔
چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی محفل میں ان لوگوں کو دیکھ کر روسائے قریش ہنس کر کہتے تھے۔

أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا (انعام:53)

"یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے"۔

یہ حقیقت ہے کہ انبیاء اکرام کے ابتدائی پیروکار ہمیشہ مفلس اور نادار ہوتے تھے۔ لیکن ان پاکیزہ النفس لوگوں کو باطل پرست کبر و نخوت میں ڈوبے ہوئے سرکش لوگوں نے رذیل اور حقیر جانا۔ آغاز اسلام میں جبکہ ہر طرف کفر و شرک کے مہیب سائے محیط تھے۔ مفلس و

نادار لوگوں کو حقیر جانا جاتا تھا۔ خصوصاً غلاموں کی حالت تو جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ اور پر آشوب حالات کے پیش نظر اسلام کی دعوت کو پوشیدہ رکھا گیا۔ جو کچھ ہوا خفیہ طور پر ہوا۔ ان خطرناک حالات میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے غلام جن کی اس وقت کے عرب معاشرے میں کوئی حیثیت نہ تھی کے اسلام لانے کے واقعہ کو بھی حالات کے تقاضوں کے پیش نظر خفیہ اور پوشیدہ رکھا ہوگا۔ میرے نزدیک سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ابتداء میں اسلام لانے والے ان کے وہ رفقاء جن کا تعلق مفلس و نادار اور غلاموں کے طبقہ سے تھا ان کے قبل از اسلام کے حالات اخفا میں رہے اور تاریخ اب تک ان کے بارے میں خاموش ہے۔ تاہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام جن کا شمار زمانہ جاہلیت میں روسائے قریش میں ہوتا ہے ان کے تمام حالات جن کا تعلق قبل از اسلام سے ہے مفصل طور پر تاریخ میں محفوظ ہیں۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی پر مبنی ایک مفصل مضمون جو سیارہ ڈائجسٹ فروری 1995ء (صحابہ اکرام نمبر) میں شائع کیا گیا ہے میری نظر سے گزرا اس میں آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں تحریر ہے۔

"یہ بعثت کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا اور سرور عالم ﷺ نے بڑی رازداری کے ساتھ تبلیغ حق کا آغاز فرمایا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نہایت نیک نفس اور پاکباز تھے اور بعثت سے پہلے بھی وہ حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ سے متاثر ہو چکے تھے۔ چنانچہ صدائے توحید سنتے ہی انہوں نے بلا تامل اس پر لبیک کہا۔ اور اپنا دل و جاں رسول عربی ﷺ پر نثار کر بیٹھے۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ وہ ان سات سعید الفطرت ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے ایمان قبول کیا اس طرح انکو السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ (توبہ:100) کی مقبول الٰہی جماعت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہوگیا"۔

(بحوالہ خیر البشر کے چالیس جان نثار صفحہ ۴۴،۴۵)

آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے حقیقی منظر کا سامان نہیں ملتا۔ پس یہ راز سربستہ راز ہی رہا۔ جدید مظاہر حق (شرح مشکوٰۃ شریف جلد نمبر ۵ صفحہ 931) پر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات میں تحریر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مکہ میں سب سے پہلے اپنے اسلام کا علی الاعلان اظہار کیا لیکن تفصیلات کا بالکل ذکر نہیں۔

بے بس اور لاچار غلاموں کے اسلام لانے کی وجہ نہ تو دنیاوی فوائد مال و دولت کا لالچ اور مزید آسائش زندگی کا حصول تھا اور نہ ہی غلاموں کو قبول اسلام میں غلامی سے نجات کی امید تھی۔ اور پھر نہ یہ لوگ اسلام کے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کے نتیجہ میں اسلام لائے۔ کوئی بھی شخص محض دنیاوی آرام و آسائش کی خاطر اپنے آبائی عقائد و نظریات کو خیر باد کہنے پر اتنی جلدی تیار نہیں ہو جاتا۔ اوائل اسلام میں خصوصاً ہجرت مدینہ سے قبل نہ تو غلاموں سے متعلق احکام نازل ہوئے تھے اور نہ ہی مسلمان اس قابل تھے کہ غلاموں کو ان کے ظالم آقاؤں کے چنگل سے چھڑا کر آزادی دلا سکتے تھے۔

مذاہب عالم کی تاریخ سے آگاہ اور واقف لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی مذہب کے آغاز کا زمانہ بدترین ابتلا اور قربانیوں کا دور ہوتا ہے۔ ابتدائی زمانے میں جو لوگ مذہب قبول کرتے ہیں انہیں راحت و آرام کی بجائے آزمائش کی بھٹی میں پگھلنا پڑتا ہے اور قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو بھی ایسے ہی حالات سے دو چار ہونا پڑا۔ راحت و سکون تو دور کی بات ہے اسلام لانے کے جرم کی پاداش میں ان غلاموں پر ان کے ظالم آقاؤں نے جاں گسل اور دل فگار مظالم ڈھائے تا کہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں۔ ایسے میں ان غریب الوطن بے یار و مددگار غلاموں کی پشت پر کون تھا جو انکی حفاظت کرتا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دیگر غلاموں کے اسلام لانے کے حقیقی اسباب دو تھے۔

(۱) سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی غلام حضور اقدس ﷺ کے ارفع و

اعلیٰ نمونہ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے کی طرف راغب ہوئے۔ آپ ﷺ کی قبل از نبوت کی ساری زندگی ان سعید روحوں کے سامنے تھی وہ ہر روز اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے تھے۔ کہ آنحضرت ﷺ نادار و مفلس اور لاچار لوگوں اور غلاموں سے کس طرح شفقت فرماتے ہیں اور ان سے کس قدر اخلاق کریمانہ سے پیش نظر آتے ہیں۔

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کا واقعہ ان کے علم میں تھا جنہوں نے محض حضور اقدس ﷺ کی عدیم المثال شفقت اور حسن سلوک کے پیش نظر اپنے والدین رشتہ داروں اور وطن کی جدائی ہمیشہ کے لئے گوارا کر لی لیکن حضور ﷺ کے سایہ شفقت اور رفاقت کو ایک لمحہ کے لئے بھی ترک کرنا پسند نہ کیا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کا فیض اور کرشمہ تھا کہ مکہ کے غلام اور آزاد لوگ کشاں کشاں دائرہ اسلام میں آنے لگے۔

(۲) کوئی شخص اپنے قدیم اور آبائی عقیدے کو خیر باد کہہ کر کسی دوسرے عقیدے کو اس وقت قبول کر سکتا ہے جب اس کی حقانیت کا تہہ دل سے یقین ہو جائے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دیگر غلاموں کے اسلام لانے کا یہی سبب تھا۔ یہ لوگ پہلے سے پاک باز اور سعید الفطرت تھے۔ خداوند قدوس نے ان کے دلوں کو پہلے سے کھول دیا تھا۔ یونہی اسلام کی حقانیت اور سچائی ان پر آشکار ہوئی وہ مشرف اسلام ہو گئے۔ کیونکہ ان کے دل انوار الٰہی کے مہبط و مرکز تھے۔ وہ کسی حرص و ہوا اور دنیاوی اغراض و لالچ کے لئے نہیں بلکہ ان کی فطرت سلیم انہیں قبول حق کے لئے بے تاب کئے ہوئے تھی۔ چنانچہ جونہی مکہ کی فضاؤں میں توحید کی صدا بلند ہوئی تو ان پاک بازوں نے سب سے آگے بڑھ کر اس پر لبیک کہا اور آئندہ کے خطرات و حوادث کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

''عاشق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ'' کے مصنف ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے موضوع کے ضمن میں دس واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ ہر واقعہ دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ یہ واقعات روایتوں پر مبنی ہیں لیکن راویان کا سلسلہ مذکور نہیں اس طرح کی روایتیں تب ہی قابل قبول ہو سکتی ہیں، جب تاریخ

کی چھان پھٹک اور تحقیق کے معیار پر پوری اترتی ہوں۔

علم اسماء الرجال اور اصول حدیث سے مصنف نے ان روایات کی صحت کے بارے میں کوئی دلیل پیش نہیں کی جس سے ذہن الجھاؤ کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ تاریخ کی اکثر کتب میں یہ تحریر ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا آقا امیہ بن خلف جمحی بنو جمح کے جس محلے میں رہتا تھا اسی محلّہ میں سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی رہائش پذیر تھے اور ان کی تبلیغ پر ہی سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ واقعہ حقیقت کے قریب معلوم ہوتا ہے کیونکہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اولین اسلام لانے والے تھے اور ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور عین ممکن ہے کہ ایک ہی محلے میں رہتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام پیش کیا۔ اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر کے دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے ہوں۔ اکثر کتب میں مذکور ہے کہ امیہ بن خلف جب سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تعذیب کا نشانہ بناتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا۔ ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف سے کہا کہ اس غریب کو کیوں سزا دیتے ہو؟ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ تو امیہ نے غضب ناک ہو کر کہا تم نے ہی اسے بگاڑا ہے' سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مکانات کا ایک ہی محلے میں ہونا اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے شب و روز اور معمولات سے آگاہ ہونا اور پھر سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تبلیغ دین سے شغف اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ واقعی سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ و ترغیب کے نتیجہ میں مسلمان ہوئے ہونگے۔

میں اس موضوع پر کتاب "حضرت بلال" کے مصنف (H.A.L Craig) کے بارے میں ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ موصوف کی کتاب کے اردو ترجمے محترم سلیم گیلانی اور پروفیسر ڈاکٹر سجاد باقر رضوی نے اپنے اپنے انداز سے کیے ہیں۔ یہ دونوں ترجمے میں نے

پڑھے ہیں۔ خصوصاً سلیم گیلانی صاحب کی کاوش اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ کتاب کے انگریزی مسودے میں مواد کی جو کمی رہ گئی تھی اسے انہوں نے احادیث اور قدیم اسلامی کتب کے مستند حوالوں سے پورا کر دیا گیا ہے۔ تاہم اس کے باوجود کتاب کا انداز تحریر اور پیرایہ ادیبانہ ہے اور حقائق و حالات کو تصوراتی طرز پر بیان کیا گیا ہے۔ جس سے اصل حقائق تک پہنچا جا سکتا ہے۔ لیکن مصنف نے سند احوال کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے جو کہ تاریخ کے اصولوں کے منافی ہے۔

مصنف نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے موضوع پر لکھا ہے کہ آنحضور ﷺ نے جب مکہ میں صدائے توحید بلند کی تو خانہ کعبہ کے مجاور و متولی روسائے قریش جنہوں نے بیت اللہ کو بتوں کا گودام بنا رکھا تھا اور ان بتوں کو اپنے خداؤں کا درجہ دے رکھا تھا تحریک اسلامی کا راستہ روکنے پر کمر بستہ ہو گئے۔ اور بانی تحریک اسلامی سے کٹھ حجتیاں شروع کر دیں۔

مصنف نے لکھا ہے "ہر سال ایک خاص مہینے میں عرب کے قبائل میلوں کی مسافت طے کر کے اپنے اپنے خداؤں کے حضور حاضری کے لئے آتے تھے۔ ایک میلہ سا لگ جاتا تھا۔ شام کے تاجر' یمن کے سمندری تجارت کرنے والے تاجر' فارس کے تاجر اور دور دراز مقامات سے آئے ہوئے غلاموں کی خرید و فروخت کرنے والے تاجر بھی یہاں جمع ہوتے تھے۔

اس میلے میں سونا بکتا تھا' خدا بھی

ابوجہل نے کعبہ میں جمع حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اسے دیکھو وہ کہتا ہے میں خدا سے باتیں کرتا ہوں"۔

امیہ کی آواز گونجی۔

"پیغمبر صاحب: آپ ہمیں پانی پر چل کر کیوں نہیں دکھاتے"؟

ابوسفیان نے کٹھ حجتی کے انداز میں کہا۔

''ایک خدا کو ماننے والا خدا کا منکر ہے''۔

عقیدۂ توحید قریش مکہ کی دکھتی رگ کا سبب تھا اور سب سے زیادہ تکلیف ان کو اسی بات کی تھی کہ وہ (رسول خدا ﷺ) ایک اللہ کی دعوت دیتا ہے۔ کفار نے ضعیف الاعتقادی میں موقع ومحل کے لحاظ سے کئی خدا بنا رکھے تھے۔ وحدہ لاشریک کا تصور ان کے ذہنوں سے محو ہو چکا تھا۔

ابوسفیان فکرمند تھا:

''اگر ہم نے اس فتنے کو ختم نہ کیا تو خدا ہم سے ناراض ہو جائیں گے۔
اور اپنی رحمتیں کسی اور شہر پر نچھاور کرنے لگیں گے''۔

ابوجہل نے اپنے مذموم عزائم کا اظہار ان الفاظ میں کہا۔

''مجھے یہ فکر نہیں ہے کہ وہ ہمارے خداؤں کے بارے میں کیا الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے۔ ہمارے خدا اس سے خودنمٹ لیں گے۔ لیکن وہ انسانوں کو جو پٹی پڑھا رہا ہے وہ بے حد خطرناک ہے۔ مگر اس کا فیصلہ جلد ہو جائیگا۔ سب سے پہلے ہم ان غلاموں اور لاوارثوں سے نمٹیں گے جو اس کے گرد جمع ہیں''۔

قریش مکہ کے سرداران کی محافل اور مجالس (جن میں آقا وغلام موجود ہوتے) محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی دعوت توحید کے موضوع پر اکثر بحث وتمحیص ہوتی رہتی اور آپ ﷺ کے خلاف منصوبہ بندیاں ہوتی رہتی تھیں۔ قریش کی مجالس میں ہونے والے تذکار اور مباحثوں نے ہی غلاموں کے لئے دعوت توحید سے آشنائی کا سامان فراہم کر دیا تھا۔ محمد ﷺ کی دعوت توحید اور غلاموں اور ناداروں کی قبول دعوت سے قریش مکہ کے رؤسا کے دلوں پر آبلے پڑ گئے تھے۔ اس انوکھی دعوت نے ان کا چین لوٹ لیا تھا اور ان کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ ہر ایک کے دل ودماغ میں صرف محمد ﷺ کی دعوت توحید کی فکر اور زبان پر اسی کے تذکرے تھے۔ قریش عجیب فکر، پریشانی اور اضطراب کے عذاب میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جس سے نجات کا راستہ ان کو تدبیروں کے باوجود دکھائی نہ دے رہا تھا۔ ان کی

پریشانیوں میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ان کا غیض و غضب انتہا کو پہنچ گیا تھا۔آخر وہ اپنا شکار پکڑ ہی لائے۔حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک مفلس اور نادار نومسلم لیکن ایمان کی دولت سے مالا مال ان ظالموں کے ہتھے چڑھ ہی گیا۔قریش کے سرداران ابولھب' ابوجہل' امیہ بن خلف و دیگر رؤسا کا دربار سجا ہوا ہے۔ان کے غلام و خدام باادب دست بستہ ایک طرف کھڑے ہیں۔حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو لایا جاتا ہے۔سرداران قریش کے چہروں سے قہر و غضب جھلک رہا ہے وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو یہاں انیٹروگیشن اور تعذیب کے لئے لائے ہیں۔آیئے دیکھتے ہیں اس پر ہیبت روح فرساں مگر دوسری طرف صبر و استقامت کے ایمان پرور عجیب و غریب منظر کو ملاحظہ کیجئے کہ دیوانہ توحید قریش کے کوڑوں کے سائے میں نماز عشق کس طرح ادا کرتا ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو نفرت و حقارت کا ایک غضبناک تھپڑ پڑتا ہے۔وہ زمین پر گر جاتے ہیں۔قطار در قطار کھڑے غلام اور ان کے آقا محو تماشا ہیں۔حضرت عمار رضی اللہ عنہ زمین پر پڑے ہوئے حق طلبی کے انداز میں سر اٹھاتے ہیں اور ابوسفیان ان سے پہلا سوال کرتا ہے۔

ابوسفیان "محمد ﷺ تمہیں کیا سکھاتا ہے"؟

عمار رضی اللہ عنہ" وہ سکھاتے ہیں کہ اللہ کی نظر میں سب انسان برابر ہیں' بالکل ایسے جیسے کنگھے کے دندانے"۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ (جو اس دربار میں حاضر ہیں) کا آقا امیہ بن خلف کا چہرہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سن کر سرخ ہو جاتا ہے۔حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی آواز ایک بار پھر گونجتی ہے۔

عمار رضی اللہ عنہ:"محمد ﷺ ہمیں سکھاتے ہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو ابوسفیان (تجسس کے انداز میں):"ایک اللہ"؟

لیکن ہمارے تو تین سو ساٹھ خدا ہیں' جو ہماری حفاظت کرتے ہیں ہماری مرادیں بر

لاتے ہیں۔

"محمد ﷺ کو احساس نہیں ہے کہ ہم مکے میں خداؤں کو گھر مہیا کرتے ہیں۔ یہی ہماری روزی ہے۔ سب قبائل کے اپنے اپنے خدا ہیں جن کی پرستش کے لئے وہ یہاں آتے ہیں۔ خدا ہمارے معبود بھی ہیں اور ہمارا ذریعہ معاش بھی اور کیا ہم لوگ غریبوں، کمزوروں کی نگہداشت نہیں کرتے؟

ابوسفیان ڈرامائی انداز میں بات کرتے کرتے رک جاتا ہے جیسے کوئی بڑا مقرر یا خطیب کوئی بات کہہ کر ایک خاص تاثیر پیدا کرنے کے لئے تھوڑا سا وقفہ دیتا ہے۔

"اگر ہم تین سو ساٹھ خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کو ماننے لگیں جو نظر نہیں آتا، اور جو ہر جگہ بتایا جاتا ہے اس باغ میں، طائف میں، یروشلم میں، چاند پر، تو پھر مکہ کہاں جائیگا؟ جب ہر گھر میں خدا ہوگا تو پھر یہاں کوئی کیا کرنے آئے گا؟

یہ تھا قریش مکہ کا منطق اور فلسفہ اپنے خداؤں کے بارے میں اور در حقیقت یہ منطق ان کے لئے باعث طمانیت تھا امیہ بن خلف سے نہ رہا گیا آگے بڑھا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قریب جا کر رک گیا اور سرداری کے انداز میں پوچھنے لگا۔

امیہ بن خلف: (حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

"کیا یہ سیاہ فام بلال جسے میں نے اپنے پیسے سے خریدا ہے میرے برابر ہے"؟

حضرت عمار رضی اللہ عنہ: محمد ﷺ کہتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں خواہ وہ کسی نسل، کسی رنگ کے ہوں" اب تو امیہ کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ اس نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پکارا اور گویا ہوا۔

"بلال رضی اللہ عنہ: اس کو بتاؤ تم میں اور ایک رئیس مکہ میں کیا فرق ہے؟ یہ لو کوڑا اور مار مار کر اس کا چہرہ مسخ کر دو تا کہ اسے سبق مل جائے"۔

یہ کہہ کر امیہ نے کوڑا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تھما دیا ادھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے زمین پر اوندھے منہ گرے ہوئے اپنا چہرہ سزا کے لئے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے

سامنے پیش کر دیا۔ وہ ٹکٹکی باندھے بے خوفی اور سکون سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں سے پاکیزگی صاف طور پر جھلک رہی تھی۔ وہ اگرچہ سراپا مجبور تھا لیکن نہایت پرعزم۔

ادھر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بے حس وحرکت، سکتے کے عالم میں تصورات کی لامتناہی وسعتوں میں کھوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ انسان کی زندگی میں بعض لمحات ایسے بھی آتے ہیں جو اس کے مقدر کا کانٹا بدل دیتے ہیں شاید سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زندگی کے یہی سعید لمحے تھے جب ان کے مقدر کا ستارا چمک اٹھا تھا۔ صرف ایک لمحہ اور صرف ایک نقطہ ہی انسان کو کبھی کبھی محرم سے مجرم اور مجرم سے محرم بنا ڈالتا ہے۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آقا امیہ اور دیگر سرداران قریش بڑی بے تابی اور قہر آلود نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ امیہ بن خلف کی آنکھیں تو غصے سے باہر نکل پڑی تھیں لیکن سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اپنے آقا کی حالت سے قطع نظر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں اپنا گوہر مقصود پا چکی تھیں فیصلہ ہو چکا تھا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

''میں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں وہ قوت دیکھی جو مجھے اپنی غلامی کے بندھن سے بھی زیادہ طاقتور محسوس ہوئی ٹھیک اسی لمحے، امیہ کا غلام بلال رضی اللہ عنہ کسی اور کا غلام ہو گیا۔ میں نے کوڑا ہاتھ سے گرا دیا''۔

حاضرین میں سے ہر کوئی حیرت زدہ تھا بات بڑی واضح تھی ایک غلام باغی ہو گیا تھا پھر عمار رضی اللہ عنہ نے کوشش کر کے کوڑا پکڑا اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''بلال: جو یہ کہتے ہیں کرو: بلال یہ تمہیں مار ڈالیں گے''۔

لیکن سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پھر کوڑا نیچے پھینک دیا۔ امیہ غیر معمولی طور پر چپ چپ تھا پھر یکدم کہنے لگا۔

''بلال اگر تمہیں یہ زعم ہے کہ تم انسان ہو اور یہ کہ تمہیں بھی خدا رکھنے کا حق ہے تو کان کھول کر سن لو کہ تمہارے خدا وہی ہوں گے جو تمہارے آقا کے خدا ہیں۔کوئی نیا خدا میرے غلام خانے میں نہیں لایا جا سکتا''۔

پھر امیہ نے باہر نظر دوڑائی اور کہا:

''تمہاری اصلاح کرنی پڑے گی لیکن آج نہیں۔ میں سورج کے نصف النہار پر آنے کا انتظار کروں گا۔آج وہ نیچے اتر آیا ہے''۔

پھر چشم زدن میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسیوں میں جکڑ کر غلام خانے میں کل کے سورج کے انتظار میں دھکیل دیا گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اگلے باب میں مناسب موقع پر بیان ہوگا۔ یہ مختصر سا واقعہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی جھلک ہے۔

پچھلے صفحات پر میں نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے ضمن میں جو دو دلائل پیش کئے ہیں ان کی عکاسی (H.A.L Craig) کی کتاب ''حضرت بلال رضی اللہ عنہ'' اردو ترجمے (مترجم سلیم گیلانی صاحبؒ) سے اخذ کردہ واقع سے بھی نمایاں طور پر ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں نے جو کچھ بیان کیا وہ انداز تاریخ نویسی کے اصولوں سے مماثل ہے اور کریگ اور مترجم سلیم گیلانی صاحب کا طرز تحریر ادبیانہ ہے مگر سمت ایک ہی ہے۔ (H.A.L Craig) نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زباں سے آغاز اسلام کے حالات اور اس واقعہ کی عکاسی اس طرح کی ہے۔

''انہی دنوں مکے میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے شہر کی فضا ہی بدل ڈالی تھی ایک طوفان کی آمد آمد تھی۔ طوفان تو شاید ابھی دور تھا مگر اس کی گھن گرج ہر ایک کو سنائی دے رہی تھی سارا شہر سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ مختلف سطحوں پر مختلف ردعمل تھا۔ کچھ لوگوں نے اسے اپنی ذات کے لئے خطرہ سمجھا۔ کچھ نے اسے اجتماعی سانحہ گردانا۔ کچھ نے جز وقتی حادثہ سمجھ کر ٹالنے کی کوشش کی۔ کچھ خوش فہموں نے اسے کسی اہمیت کے قابل نہ سمجھا۔ کچھ اتنے

متذبذب تھے کہ نہ اسے اچھا کہہ سکے نہ برا مگر فکر مند بھی تھے۔ جہاں دو آدمی اکٹھے ہوتے یہی ذکر چھڑ جاتا کہ محمد ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ لا الٰہ الا اللہ کا درس دیتے ہیں۔ انسانی مساوات کا درس دیتے ہیں۔ محمد ﷺ کو ہم سب جانتے تھے کوئی کم کوئی زیادہ سارے شہر میں ان کی نیکی ان کی دیانت ان کی امانت ان کی دردمندی اور ان کے اخلاق کا شہرہ تھا۔ مگر رسالت، یہ وحی، غار حرا میں بات چیت، ایک معبود کا تصور، مساوات کا سبق، غریبوں کے حقوق کا ذکر، آخرت و مافیہا کی باتیں کہاں جا کر ٹھہرے گا یہ طوفان، جو جتنا زیادہ بااختیار تھا اتنا ہی زیادہ فکر مند تھا۔ سب کو محسوس ہو رہا تھا کہ اگر یہ بیل منڈھے چڑھ گئی تو اس کے پلے سے کچھ نہ کچھ جا کر رہے گا۔ دولت کی صورت میں یا اختیار کی صورت میں"۔

یقیناً یہی وہ حالات تھے جن سے ہر ایک کی فکر کو تحریک ملی خواہ آزاد تھا یا غلام۔ ان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ گھپ اندھیرے میں ایک جوت جاگی تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ تاریکی میں روشنی کی کرن پھوٹی ہے۔ اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن مستقبل حال سے بدتر نہیں ہو سکتا۔

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو جو پیغمبر خدا کی ان اداؤں کا مظہر ہے اور غلاموں کو پسند آ گئیں۔

"میں نے محمد ﷺ کو کئی بار دیکھا تھا لیکن آج تک بات ان سے نہیں کی تھی۔ عکاظ کے بڑے میلے کے بعد جب قافلے اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے کے لئے مکے سے نکلتے ہی اپنے گرد و غبار میں گم ہو جاتے تو مکہ سکڑ جاتا۔ گلیوں میں وہی جانے پہچانے چہرے نظر آنے لگتے۔ یہ سب میرے واقف نہیں تھے لیکن صورت شناس میں بھی سبھی کا تھا۔ بہت سے غلام تو غلام سمجھ کر میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ کچھ پہچانتے بھی تھے۔ لیکن ان کا مجھ جیسے غلام کے ساتھ راہ و رسم رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ لیکن محمد ﷺ مختلف تھے وہ جب پاس سے گزرتے تو مجھے محبت کے انداز سے مسکرا کے دیکھتے"۔

"محمد ﷺ مجھے اچھے لگتے تھے۔ کسی سود و زیاں کا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ وہ تھے تو

پہلے درجے کے انسانوں کی صف میں مگر مجھے لگتا تھا کہ اوروں کی طرح وہ مجھے نچلے درجے کا انسان نہیں سمجھتے تھے۔ اپنی جماعت کے انسانوں میں وہ واحد شخص تھے جن کی مسکراہٹ کو میں نے اپنے لئے محسوس کیا تھا۔ ان کے علاوہ مجھے دیکھ کر کبھی کوئی شفقت اور التفات سے نہیں مسکرایا تھا۔ وہ مسکراتے تھے ان کی آنکھیں اور چہرہ ہی نہیں ان کا سارا وجود مسکراتا محسوس ہوتا تھا"۔

محمد ﷺ کی مسکراہٹ ایک سچے انسان کی مسکراہٹ تھی اور میرے لئے یہی احساس ان کی ہر بات کی صحت کی ضمانت تھا۔ میرا دل کہتا تھا کہ اگر محمد ﷺ کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے تو یقیناً ایک ہی ہوگا۔ اگر محمد ﷺ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں تو واقعی وہ اللہ کے رسول ہونگے۔ اگر محمد ﷺ کہتے ہیں کہ وہ فرشتے سے ہم کلام ہوئے ہیں تو ضرور ہوئے ہونگے۔ مگر یہ ساری سوچ میرے لاشعور میں تھی۔ شعوری طور پر مجھے اس کا ادراک اس وقت ہوا۔ جب امیہ رات کو غلام خانے میں آیا اور اس نے براہ راست مجھ سے سوال کیا۔

"سچ سچ بتاؤ کہ تمہارا معبود کون ہے؟"

"محمد ﷺ کا معبود میرا معبود ہے"

میرا جواب سنتے ہی اس کے (امیہ کے) تن بدن میں آگ لگ گئی مگر وہ اس جواب کے لئے تیار تھا کہنے لگا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمارے خداؤں سے انکار کرتے ہو"؟

"محمد ﷺ الامین ہے اسے ایک فرشتے نے بتایا ہے کہ اللہ ایک ہے"؟

میں اس دیدہ دلیری کی سزا سے بے خبر نہ تھا مگر یوں لگتا تھا جیسے میرے اندر طاقت کا ایک سیلاب امڈ آیا ہے جس کے سامنے امیہ اور اس جیسے کئی آقا خس و خاشاک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ امیہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی دھمکیاں دیتا ہوا غلام خانے سے نکل گیا۔ مجھے وہ اس وقت ایک بے بس بچہ لگ رہا تھا جس کا کوئی کھلونا ٹوٹ گیا ہو"۔

ان اقتباسات کی روشنی میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ رسول کریم ﷺ کی شفقت،

اخلاق، کریمانہ اور عطر آویز مسکراہٹ ہی تو تھی جو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسی انگنت پاکباز پیاسی روحوں کے اندر آ کر ایمان و ایقان کا نور بھر گئی اور رب کائنات کی ربوبیت، اللہ کی الوہیت اور نبی کی نبوت کے بارے میں محسوسات کے وہ پختہ نقوش سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے مطہر قلوب میں وجدان کی ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ تشدد و ظلم کا احساس مٹ گیا اور سزا میں بھی ایک خاص قسم کی لذت آنے لگی توحید کی شراب نے کیف و مستی کا ایسا رنگ اختیار کر لیا کہ بس احد احد کے سوا کچھ یاد نہ رہا۔

تاریخ گواہ ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے نشہ توحید میں سرمست غلام جب احد احد کی رٹ لگاتے ہوئے باطل اور طاغوت کے خلاف ڈٹ گئے تو ایسا طوفان اٹھا کہ امیہ اور اس کے سب ساتھیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا اور ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ظلم و جہالت اور تعذیب و کرب کی شکار انسانیت کو آزادی وحریت کی گراں مایہ نعمت ملی۔ سسکتی تڑپتی دکھی اولاد آدم نے سکھ کا سانس لیا۔

آج پھر ہر طرف امیہ بن خلف کا بے باک کوڑا محمد ﷺ کے غلاموں پر کڑکتا برستا دکھائی دے رہا ہے۔ یہ کوڑا کہیں جموں و کشمیر تو کہیں عراق و فلسطین اور کہیں برما و آسام کے بے بس اہل ایمان پر بجلی بن کر گر رہا ہے۔ اگر چہ فرزندان امیہ کی تعداد بیکراں اور ان گنت ہے۔ لیکن دیکھنا محمد عربی ﷺ کے ۳۱۳ غلام ہی ان سب کو دفن کر دیں گے، اور امیہ یقیناً سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا جائیگا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دیوانے کفن بردوش میدان میں اتر چکے ہیں۔

ہاں! میں نے نشہ توحید میں سرمست ان مستانوں کو خود دیکھا ہے۔ وہی کیف و مستی وہی بے خوفی اور احد احد کی رٹ، وہی شوق شہادت اور وہی کٹ مرنے کا عالم۔ طوفان ضرور آئے گا اور یقیناً آنے والا ہے کوئی امیہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم کرنے کے لئے باقی نہیں رہے گا۔ ہاں وقت کا انتظار شرط اول ہے۔ لیکن یاد رکھئے یہ طوفان یا انقلاب نعرے لگانے والے ملاؤں کے دم قدم سے ہرگز نہیں آئے گا۔ ملا کی اذان اور مجاہد کی اذاں

اور کرگس کا جہاں اور شاہین کا جہاں اور۔ ان انقلاب کے نعرے لگانیوالوں کو صرف حلوہ مطلوب ہے جبکہ طوفان برپا کرنے والوں کو امیہ کے کوڑے کھانے پڑتے ہیں یہ کام صرف بلال رضی اللہ عنہ کا ہی ہے۔ سر کٹائے بغیر رسم شبیری کی ادائیگی ممکن نہیں۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

تعذیب کی داستانِ خونچکاں

انسان اشرف المخلوقات ہونے کا دعویدار ہے۔ آخر کیوں؟ انسان کا دامن جب انسانیت سے خالی ہو جائے تو وہ وحشی درندوں کو بھی مات کر جاتا ہے۔ سنا ہے کہ درندے کا پیٹ بھر جائے تو وہ درندگی کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ مگر انسان ہے کہ اس کا پیٹ تو آج تک نہیں بھرا۔ شاید اسی لئے دو ٹانگوں والا یہ سوشل جانور ہر ایک کو گاجر مولی کی طرح کاٹتا پھرتا ہے۔ کیا کوئی درندہ آج تک ایسا بھی ہوا ہے جس نے انسان کی طرح درندگی اور وحشت کا مظاہرہ کیا ہو؟ بات بات پر درندگی' انسان ایک بھیڑیا نما جانور ہے۔ بلکہ بھیڑیے سے بھی بدتر۔

کیا بھیڑیے یا دوسرے درندے اپنے بچوں کو کھا جاتے ہیں؟ اشرف المخلوقات کا پلیٹ نمبر اس پر کس نے چسپاں کر دیا؟ کیا یہی وہ پلیٹ نمبر نہیں۔ اشرف المخلوقات کا پلیٹ نمبر جس نے اس کا یعنی حضرت انسان کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ انسان جتنے بڑے محل میں رہتا ہے جتنی اونچی کرسی پر جلوہ نشین ہوتا ہے۔ جتنے بڑے منصب پر فائز ہوتا ہے اور جتنے زیادہ وسائل اور دولت و ثروت کا مالک بن بیٹھتا ہے اتنا ہی بڑا ظالم درندہ بن جاتا ہے۔ یقیناً یہی امر ہوگا۔ جو انسان سے انسانیت چھین لیتا ہوگا۔ کیا میں سوال کر سکتا ہوں کہ ازل سے لے کر آج تک جتنے بھی ابوجہل، ابولہب اور امیہ بن خلف پیدا ہوئے ان کا تعلق اشرف المخلوقات سے تھا؟ اور کیا ایسے لوگ واقعی اشرف المخلوقات میں سے ہیں؟

ایسے لوگ جو اپنے ہم جنس انسانوں سے درندگی، وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کریں۔ انسانی شرف و شرافت کو وحشی درندوں کی طرح پامال کریں۔ انہیں کیونکر اشرف المخلوقات کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگ تو شرف اور شرف انسانیت کا ڈراپ سین ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں انسان کے رقص بسمل کا ایک منظر' پھر فیصلہ کرنا ہوگا کہ اشرف المخلوقات کون ہے؟ امیہ بن خلف اور اس کا ٹولا یا سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء؟ امیہ

بن خلف نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسیوں میں جکڑ کر غلام خانے میں پھینک د
تھا۔ وہ کل سے اسی حالت میں درد و کرب کے عالم میں اگلے دن سورج کے نصف النہار پر
پہنچنے کے منتظر تھے۔ ادھر امیہ بن خلف بھی ساری رات غیض و غضب میں پیچ و تاب کھاتا
رہا۔ اس کے غلام سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے لات و منات جو اس کے آقا کے خدا
تھے کو معبود ماننے سے نہ صرف انکار کر دیا تھا بلکہ اس نے محمد ﷺ کے ایک خدا کو تہہ دل
سے مان لیا تھا۔ یہ بات امیہ بن خلف کے لئے سوحان روح تھی۔ وہ حضرت بلال رضی اللہ
عنہ کو اس کا مزہ چکھانے کے لئے بے چین اور بے قرار تھا۔

آخر سورج نصف النہار پر پہنچ گیا۔ مکہ میں حرہ کی زمین گرمی کے سبب دھوپ میں
تانبے کی طرح گرم ہو جاتی ہے۔ سورج جب نصف النہار پر پہنچتا ہے تو آسمان آگ
برسانے لگتا ہے۔ اور حرہ کی بالو ریت دھکتے انگاروں کی طرح سرخ ہو جاتی ہے۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کے آقا امیہ بن خلف کے حکم سے غلام خانے
سے نکال کر حرہ کے انگاروں کی طرح تپتی ریت پر پشت کے بل لٹا دیا گیا اور آپ کی چھاتی
پر پتھر کی بھاری چٹانیں رکھ دی گئیں تا کہ آپ ہل نہ سکیں۔ امیہ نے زور زور سے کوڑے
برسانے شروع کر دیئے پھر امیہ بن خلف کا ہر روز کا معمول بن گیا پہلے وہ آپ کو بھوکا پیاسا
رکھتا پھر دوپہر کو جب دھوپ خوب چمک رہی ہوتی اور ریتلی زمین تانبے کی طرح تپ رہی
ہوتی تو وہ آپ کو اس پر لٹا دیتا پھر بھاری بھر کم پتھر آپ کی چھاتی پر رکھ دیتا اور کہتا یا تو محمد
ﷺ کا دین چھوڑ دو اور لات و عزیٰ کی عبادت کرو اور یا تم اسی طرح تڑپتے رہو گے یہاں
تک کہ تمہارا دم نکل جائے۔ آپ نیم مدہوشی کی حالت میں جواب دیتے۔

اَحَدٌ اَحَدٌ اَنَا لَا اُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اَنَا كَافِرٌ بِالَّاتِ وَ الْعُزّٰى

"وہ ایک ہے، وہ ایک ہے، میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا میں لات اور
عزیٰ کا انکار کرتا ہوں"۔

حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں۔ "ایک روز میں بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا

جبکہ اسے گرم کنکریوں پر لٹا کر عذاب دیا جا رہا تھا۔ وہ کنکریاں اتنی شدید گرم تھیں کہ اگر گوشت کا ٹکڑا بھی رکھ دیا جائے تو ان کی حرارت سے پک جائے"۔

اس کے باوجود وہ کہہ رہے تھے انا کافر بالات و العزی میں لات وعزیٰ کا انکار کرتا ہوں۔ امیہ بن خلف یہ سن کر اور غضب ناک ہو جاتا اور انہیں مزید ستانے لگتا۔ ان کے گلے کو زور سے دباتا یہاں تک وہ بے ہوش ہو جاتے (پیر محمد کرم شاہ بحوالہ سبل الہدی و الرشاد) اس لگاتار عمل کے نتیجے میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی کمر پر پہلے آبلے پڑے اور چند روز بعد زخم بن گئے جس سے خون رستا رہتا تھا مگر امیہ کے معمول میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ ہر روز اس کی شدت میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ ہر روز گزشتہ دن سے زیادہ گرم ریت تلاش کی جاتی۔ پہلے سے زیادہ وزنی چٹانیں ڈھونڈی جاتیں اور پہلے سے زیادہ ضربیں۔ ہر روز موت آتی مگر امیہ کے سوالوں کے جواب میں آپ رضی اللہ عنہ احد احد کے سوا کچھ نہ کہتے۔ ایک دن امیہ نے تنگ آ کر آپ رضی اللہ عنہ کو ایک رات اور ایک دن بھوکا پیاسا رکھا اور پھر گرم ریت پر لٹا کر مارنا شروع کر دیا مگر آپ چٹانوں کے نیچے دبے ہوئے بھی اس کے سوال کے جواب میں احد احد ہی کہتے رہے۔ سیر الصحابہ جلد دوم صفحہ ۲۰۸ پر مولانا معین الدین ندوی رقم طراز ہیں کہ ستم پیشہ امیہ بن خلف کی جدت طرازیوں نے ظلم و جفا کے نئے طریقے ایجاد کئے تھے وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا۔ کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا۔ کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا تمہارا خدا لات وعزیٰ ہے۔

لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے احد احد کے سوا کوئی اور کلمہ نہ نکلتا۔ مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی۔

(طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث صفحہ ۱۶۵)

اسد الغابہ جلد دوم صفحہ ۹ پر امام ابوالحسن علی الحرزمی بن اثیر لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہیں ایسی ہی تکلیف دی جا رہی تھی کہ ورقہ بن نوفل (جو اعلیٰ درجے کے موحد تھے) کا گزر (ادھر

سے) ہوا تو انہوں نے کہا کہ اے بلال احد احد کہے جاؤ' خدا کی قسم اگر تم اس حالت میں مر جاؤ گے تو ہم تمہاری قبر کو (بارگاہ الہی میں) وسیلہ رحمت بنائیں گے۔

" بلال کے مصنف H.A.L Craig نے اس واقعہ کو الفاظ کے اختلاف سے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبانی اس طرح لکھا ہے"۔

" لیکن ایک ضعیف شخص مجھے یاد ہے اور میں اسے کبھی نہ بھولوں گا۔ ورقہ بن نوفل میں روزمرہ کی طرح گرم چٹانوں تلے دبا امیہ کے کوڑے کھا رہا تھا۔ اور وہ مجھے ہر کوڑے پر لات اور عزیٰ کی عبادت پر مجبور کر رہا تھا کہ ادھر سے ورقہ کا گزر ہوا وہ میرے منہ سے احد احد کی آواز سن کر رک گیا۔ اور انہوں نے بآواز بلند کہا" بلال وہ واقعی ایک ہے"۔

پھر انہوں نے امیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

" میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو نے اسے مار ڈالا تو میں اس کی قبر پر درگاہ تعمیر کروں گا"۔

اسد الغابہ (جلد دوم ص ۹) میں سعید بن مسیب کے حوالے سے تحریر ہے کہ" سعید بن مسیب بلال کا ذکر کر کے کہتے تھے کہ وہ اپنے دین پر بڑے حریص تھے۔ انہیں سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ جب مشرک ان کو پاس بلاتے تھے تو یہ اللہ اللہ کہتے تھے۔ امیہ نے جب دیکھا کہ اتنی سختیوں کے باوجود اس عاشق رب ذوالجلال کی جبین استقامت پر شکن تک نہیں آئے تو اس کی آتش غیض اور بھی بھڑک اٹھی۔ اس نے اپنے دوسرے غلاموں اور بنو جمح کے لونڈوں کو کہا کہ لات و ہبل کے اس باغی کو اتنی اذیتیں دو کہ وہ محمد ﷺ اور محمد ﷺ کے معبود کا نام لینا چھوڑ دے۔ یہ بدبخت امیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بری طرح مارتے پیٹتے سخت دھوپ میں ان کے کپڑے اتروا کر لوہے کی زرہ پہنا کر کھڑا رکھتے دوپہر ڈھلتے ہی ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی میں ڈال دیتے اور رات کو بھی انہیں تازیانے رسید کرتے۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے سوائے احد احد کے اور کچھ نہ نکلتا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ امیہ حضرت بلال رضی

اللہ عنہ کے گلے میں رسی باندھ کر انہیں لونڈوں کے حوالے کر دیتا اور وہ انہیں مکہ کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے پھرتے پھر جلتی ریت پر لا کر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے لیکن سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد احد ہی کہے جاتے۔

ضیاء النبی کے مولف جسٹس پیر محمد کرم شاہ (جلد دوم صفحہ ۳۲۴) رقمطراز ہیں کہ امیہ کو جب معلوم ہوا کہ اس کا حبشی غلام مسلمان ہو گیا ہے تو غصہ سے اس کا خون کھولنے لگا۔ اس نے عزم کر لیا کہ وہ بلال کو اس جرم کی اتنی سزا دیگا کہ اس کا برداشت کرنا ممکن نہ ہوگا۔ وہ مجبوراً اس نئے دین سے اپنا رشتہ توڑ لے گا۔ وہ (امیہ) آپ کے گلے میں رسی ڈال کر آوارہ لڑکوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیتا وہ ان کا تمسخر اڑاتے۔ مکہ کی گھاٹیوں میں لے جا کر گھومتے اور گلیوں میں گھسیٹتے لیکن میخانہ توحید کا یہ مستانہ کیف و مستی میں کھویا رہتا اور احد احد کے نعرے لگا لگا کر کفر و شرک کے حواریوں کا منہ چڑاتا رہتا۔ وہ بے شعور بچے رسی کو اس زور سے کھینچتے کہ ان کی گردن پر گہری خراشیں پڑ جاتی اور خون بہنے لگتا۔

دربار نبوی ﷺ کے شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اسلام قبول کرنے سے پہلے حج کرنے کے لئے مکہ آیا۔ میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اسکے گلے میں ایک لمبی رسی تھی جسے بچوں نے پکڑا ہوا تھا اور وہ اسے کھینچ رہے تھے اور بلال کہہ رہے تھے۔

اَحَدٌ اَحَد اَنَا کُفرٌ بِا للّاتِ وَ الْعُزّیٰ وَ ھَبْلٌ وَ نَائِلَۃٌ

وہ یکتا ہے وہ یکتا ہے میں لات، عزیٰ، ہبل اور نائلہ کی خدائی سے انکار کرتا ہوں۔ (سبل الہدی والرشاد جلد دوم صفحہ ۴۷۷)

"بلال رضی اللہ عنہ" کے مصنف (H.A.L Craig) نے اس واقعہ کی منظر کشی بڑے پر درد انداز میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس طرح کی ہے"۔

"جب دھوپ اور کوڑوں کی سزا کارگر نہ ہوئی تو امیہ نے میرے گلے میں رسی باندھکر مجھے بنو جمح کے لڑکوں کے حوالے کر دیا۔ یہ بچے سارا دن چیختے چلاتے، قہقہے لگاتے مجھے مکہ کی

اونچی، نیچی، پتھریلی سڑکوں پر کھینچتے پھرتے۔ان کے قہقہوں میں میری چیخ وپکار کسی کو سنائی نہ دیتی تھی۔بچوں کو ایک دلچسپ مشغلہ ہاتھ آ گیا تھا وہ اس سے پورا لطف اٹھانا چاہتے تھے۔وہ رسی سے میری گردن کو جھٹکا دیتے تو گر پڑتا۔اور پھر وہ سب مل کر مجھے گھسیٹنے لگتے میں اٹھنے کی کوشش کرتا تو ٹھوکریں مارتے۔کبھی اٹھ کر کھڑا ہو جاتا تو پھر رسی کے جھٹکے سے مجھے گرا دیتے۔میں منہ کے بل گرتا۔تو پھر مجھے گھسیٹنا شروع کردیتے۔کبھی رسی اس زور سے کھینچتے کہ میرا دم گھٹنے لگتا۔نکیلے کنکروں' سنگریزوں اور پتھروں کی رگڑ سے روز میرے بدن پر نئے زخم بنتے۔پہلے زخم بھرنے بھی نہ پاتے کہ پھر کھل جاتے میرا سارا جسم لہولہان ہو جاتا۔دوپہر کے بعد جب سارا مکہ تپ اٹھتا تو وہ میرے کپڑے اتروا کر مجھے لوہے کی زرہ پہنا دیتے اور دھوپ میں ڈال دیتے۔ایک دن انہوں نے دہکتے کوئلوں پر لٹا کر میرے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا۔آج بھی میرے جسم پر ان کوئلوں کے داغ ہیں۔ایک دن مدینے میں نبی کریم ﷺ کے گھر کا سودا سلف لے کر آ رہا تھا کہ میری چادر شانوں سے سرک گی۔عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ میرے پیچھے آ رہے تھے۔انہوں نے میرے جسم کے داغوں کو دیکھا تو ان پر رقت طاری ہوگئی۔مگر کیسی لو اٹھی ہے ان داغوں سے کیسی کیسی شعائیں پھوٹی ہیں۔امیہ پھر بھی باز نہ آیا۔ہر روز جب بچے مجھے مار مار کر نڈھال کر دیتے اور ریت پر لٹا کر میرے اوپر چٹانیں رکھ دیتے تو وہ بھی کوڑا گھماتا وہاں پہنچ جاتا اور ہر کوڑے کی ضرب کے بعد مجھ سے پوچھتا کہ میں محمد ﷺ کے اللہ سے منحرف ہوا ہوں یا نہیں؟ مگر جواب احد' احد کے سوا کچھ اور نہ ہوتا۔شاید میں کچھ اور کہنا ہی بھول گیا تھا۔میرا روز مرہ کا رقص بسمل بھی جب اس کے دل کی مراد بر نہ لا سکا تو ایک دن اس نے قطعی فیصلہ کر لیا۔آج کی رات بلال کی آخری رات ہوگی۔کل صبح اس کی آخری صبح۔شدید ترین اذیتیں اور پھر موت۔

موت کا انتظار

ایک آزاد انسان اور غلام کی زندگی میں بڑا فرق اور فاصلہ ہوتا ہے۔ دونوں کی زندگیوں میں ایسا بُعد ہوتا ہے جس کی پیائش بہت مشکل ہے۔ خدا کی غلامی کی حقیقت تو قابل فہم ہے لیکن ایک انسان کے ہاتھوں انسان کی غلامی نا قابل فہم۔ یہ ایک بھیانک عذاب سے کم نہیں۔ انسان جب انسان کا آقا بن بیٹھتا ہے تو وہ اپنے جیسے انسان کو کس قدر روح فرسا اور دلگداز عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ کیا انسان کو غلامی کی سزا دینے والا انسان خود کو انسان سمجھتا ہے یا خدا؟ انسان کی یہ کتنی بڑی بھول ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو فراموش کر کے کیا کیا کرنے لگ جاتا ہے ہاں! غلامی کی سزا بڑی خوفناک دل دوز اور جاں گسل ہے۔ اسی طرح موت کا تصور بھی بڑا زہر گداز ہوتا ہے اور اس سے بھی کہیں ہیبت ناک موت کا انتظار۔ انتظار موت کا ہو یا کسی اور کا۔ یہ لمحات بڑے کربناک ہوتے ہیں۔

وہ منظر کیسا اذیت ناک ہوگا جب شدید ابتلا کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسیوں میں جکڑ کر تاریک کمرے میں موت کے انتظار میں چھوڑ دیا گیا ہوگا؟ آئیے اس کا حال سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں۔ ایچ۔ اے۔ ایل۔ کریگ نے اپنی تالیف "حضرت بلال رضی اللہ عنہ" میں درد و کرب میں ڈوبے لمحات کی چند تلخ مگر ایماں افروز یادیں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبانی یوں بیان کی ہیں:

"موت کا قرب کبھی کبھی انساں کے اندر شمعیں روشن کر دیتا ہے میرے اندر بھی اس رات اللہ نے اپنی رحمت سے ایک جوت جگا دی"۔

پھر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے ماضی کے دریچے کھل گئے۔ بچپن سے لیکر اس تاریک کمرے میں پھینکنے تک کی ایک ایک بات۔ والدین کے شب و روز کے معمولات، ان کی شفقت اور پیار کے لمس، اور مفارقت کے تلخ لمحات اور ان سے وابستہ

ہر چیز سامنے تھی۔'' ایک اور چھوٹا سا اقتباس پیش خدمت ہے۔'' پھر اس رات میں نے اپنے ماں باپ کی گفتگو سنی۔ وہ سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے مشورہ کر رہے تھے کہ کیوں نہ ہم اس بچے (بلال) کو مار ڈالیں اور اسے پیدائشی غلامی کی لعنت سے بچا لیں۔ میرے آنسو بہہ نکلے۔ اپنے دکھ پر نہیں۔ اس کرب پر جو والدین نے، یہ فقرے کہتے ہوئے اپنے اندر محسوس کیا ہوگا''۔

اس شب کے بارے میں خیالات کے ایک منظر کی ایک بھیانک تصویر کا خاکہ ملاحظہ ہو۔'' مجھے وہ دن یاد آیا جب میں جوان ہونے پر بازار میں پہلی بار بکنے کے لئے آیا تھا۔ اب میں ابن غلام نہیں خود غلام بننے والا تھا۔ پھر اس کے بعد میں کئی بار بکا۔ اونٹوں کے ساتھ، بکریوں کے ساتھ، بھیڑوں کے ساتھ اور بالکل انہیں کی ساتھ آج میں دمشق میں بیٹھ کر ان باتوں پر ہنس سکتا ہوں مگر سوچتا ہوں مجھ پر کیسے کیسے دور گزرے ہیں۔ گرم ریت اور دہکتے انگاروں پر لٹائے جانے کے دور۔ مکے کی گلی کوچے میں رسی سے باندھ کر پھرائے جانے کے دور، گرم پتھروں کے نیچے دبائے جانے کے دور، ڈنڈوں سے پٹائی کے دور، ٹھوکروں کے دور، کوڑوں کے دور لیکن اس رات امیہ کے غلام خانے میں جب میری گردن گھٹنوں سے جکڑی ہوئی تھی میرے ذہن پر ہنسی کا تصور بھی نہ تھا۔ پھر اس کرب کے عالم میں میں نے اپنے گرد پھیلی ہوئی زندگی کے حسن کو محسوس کیا۔ وہ حسن جو جلدی ہی مجھ سے چھننے والا تھا۔ چاند تارے، دن رات، آتے جاتے موسم، دریاؤں، پہاڑوں، میدانوں اور جنگلوں میں پھیلی جیتی جاگتی رنگ برنگی مخلوق اور سب کا سردار انسان اپنی تمام تر آرزوؤں، امنگوں، اداسیوں، مجبوریوں، خوشیوں، کامرانیوں اور قربانیوں کے ساتھ۔ اس رات میں نے ایک سرخ بھنور بھی دیکھا تھا جو تیز دھوپ میں ایک ڈنٹھل پر بیٹھا تھا۔ آج بھی جب سرخ بھنور مجھے نظر آجاتا ہے تو میرا سارا دن خوشی میں گزر جاتا ہے۔ یہ سرخ بھنورے، روئے زمین پر پھیلی ہوئی مخلوق، قبروں میں لیٹے ہوئے میرے، ماں باپ یہ سب کہاں سے آگئے تھے۔ اس رات موت نزدیک ہوتی ہے تو انسان کا ذہن کہاں سے کہاں چھلانگیں لگاتا

پھرتا ہے۔"۔

اسی شب تاریک کی بابت سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے خیالات کا نقش یوں ہے۔

"رات بھر میں غلام خانے کے فرش پر کس مپرسی کے عالم میں پڑا کراہتا رہا۔ رسیوں سے جکڑا ہوا، رسیاں میرے جسم میں دھنس جاتی تھی۔ میری ذہنی کیفیت ایسی تھی جیسے میرے اندر ہتھوڑے چل رہے ہوں۔ صبح ہو رہی تھی۔ میں نے گہرے سانس لے کر نئے دن کی تازہ ہوا کو اپنے اندر جذب کیا مگر اب میرا ذہن پھر اس ایک اللہ کے تصور کی طرف چل پڑا۔ میں چل تو پڑا ایک انجانی، ان دیکھی راہ پر لیکن محض ایک خانہ بدوش کی حیثیت سے، جسے پیاس تو ضرور لگتی ہے۔ لیکن راستے کے کنویں اس کے اپنے نہیں ہوتے۔ مجھے بھی پیاس تھی۔ شدید پیاس، کنوئیں میرے نہیں تھے۔ لیکن میں پیاسا تھا اور یہ پیاس مجھے کھینچے لئے جا رہی تھی۔ نامانوس راہوں پر، نہ جانے کس منزل کی طرف، اس دن اللہ کی توفیق سے میں نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ یہی میرا اسلام تھا۔ میرے اندر مٹھاس کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ایسی کہ مجھے اپنے بندھنوں میں بھی چین ملنے لگا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میری عافیت صرف اور صرف ایک اللہ کے قرب میں ہے۔ یہ سچائی میرے دماغ میں نہیں۔ میرے دل میں، میری روح کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ میں نے عبادت کی تو میرا باطن منور ہو گیا۔ میں نے رب جلیل کی حمد و ثنا کی تو میرے اندر انجانی قوت کے سوتے ابل پڑے۔ میں نے اللہ کی رحمتوں کی تلاش کی تو خوف میرے اندر سے نکل گیا۔ اور پھر اللہ کی قدرت سے سورج طلوع ہو"۔

اب کچھ ہونے والا تھا۔ نیا دن اور نئی عقوبت اور نیا طریقہ، اب فیصلہ کن مرحلہ شروع ہونے والا تھا۔ یعنی موت کا رقص یہ آخری سین ہوتا ہے کسی انسان کی زندگی کا۔ شاید انہیں امید ہو کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان سے زندگی کی بھیک مانگنے کے لئے ان کے پاؤں پکڑے گا لیکن ادھر انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ خاموش

اور طاقتور انقلاب سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس موقع سے متعلق یادوں کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

"جب وہ مجھے لینے کے لئے آئے تو میں سراپا تشکر تھا ان بدنصیبوں کو کیا خبر تھی کہ یہاں کیا ہو چکا ہے۔ ان کو توقع تھی کہ میں ان کے پاؤں پکڑتا، زمین پر ماتھا رگڑتا، ان سے رحم کی بھیک مانگتا، لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو وہ سمجھے میں پاگل ہو گیا ہوں۔ خوف سے میرا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ میں اپنے خالق حقیقی کے حصار عاطف میں ہوں اور وہ جو کچھ بھی کریں گے یا نہ کریں گے۔ وہ سب میرے رب کی رضا سے ہی ہوگا۔ انہوں نے مجھے جائے عقوبت پر لے جانے کے لئے زمین سے اٹھایا مگر انہیں کیا معلوم تھا۔ کہ میرا اللہ مجھے پہلے ہی ان کے ہاتھوں کی پہنچ سے کہیں زیادہ بلندی پر لے جا چکا ہے۔ اس آخری دن کی صبح کو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ کے آدمیوں نے جب جائے عقوبت پر لے جا کر ایک کھمبے سے مضبوطی سے جکڑ دیا۔ اذیت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ نے تشدد و کرب کے ان لمحات کی یادوں کو تصورات کے انداز میں اس پیرائے میں بیان کیا ہے۔

"وہ مجھے ایک میدان میں لے گئے جس کی بیچوں بیچ ایک لکڑی کا کھمبا گڑا ہوا تھا۔ اس کھمبے سے انہوں نے مجھے مضبوطی سے جکڑ دیا۔ امیہ نے کوڑا اسنبھال لیا۔ میں اس تشدد کی روداد بیان نہیں کروں گا۔ درد کی یاد نہیں ہوتی۔ درد جب ہوتا ہے تب ہوتا ہے۔ اس کے بعد نہیں۔ صرف اتنا کہوں گا کہ اللہ سورج سے زیادہ طاقتور ہے اور انسانی روح کوڑے کی زد سے باہر ہے۔ میں اس وقت زور زور سے اللہ کو پکار رہا تھا۔ ایک ہی طریقے سے جو مجھے آتا تھا۔ ایک ہی نام سے جو میں جانتا تھا۔ احد، احد میں۔ بلال جس نے اب تک ہزاروں لاکھوں کو نماز کے لئے پکارا ہے اس وقت عبادت کے طریقوں سے واقف نہ تھا۔ لیکن جب میں نے اس کا نام پکارا تو میرے دل نے گواہی دی کہ اس نے سن لیا۔ کوڑے پڑتے تھے تو میں چیختا نہیں تھا۔ میں نے اپنی زندگی کی باقی ماندہ سانسیں اللہ کے لئے وقف کر دی تھیں۔

ہر کوڑے پر میری آواز مدھم ہوتی جا رہی تھی مگر میں وہی کہتا رہا۔ احد، احد اسی کا نام لیتا رہا۔ میں نے ان سے رحم کی التجا نہیں کی۔ صرف اپنے اللہ سے رحم مانگا۔

کوڑوں کا ایک دور ختم ہوتا۔ پھر وقفہ ہوتا، تو دوسرا دور شروع ہو جاتا ایسے ہی مختصر وقفے میں ابو سفیان کی بیوی ہندہ چھتری تانے ہوئے خوشبوؤں میں بسی میرے پاس آئی اور کان لگا کر میری نحیف آواز سننے کی کوشش کی۔ احد، احد یہ سن کر مڑی اور ہنستی ہوئی واپس چلی گئی۔ ہندہ کی ہنسی بڑی مترنم تھی۔

"یہ غلام تو وعظ کر رہا ہے"۔

اور پھر مجھ پر کوڑے برسنے لگے ایک، دو، تین نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔

میں نے اکثر سوچا ہے کہ شاید اس دن میں درخت پر پڑے کسی جھولے پر جھولتا ہوا موت کے دامن میں پہنچ گیا۔ لیکن ایسا نہیں تھا موت کیا ہوتی ہے صرف وہی جانتے ہیں جو حقیقتاً مر جاتے ہیں۔ البتہ اتنا ضرور کہوں گا میں ہر درد سے آزاد ہو چکا تھا۔ مجھے کسی تکلیف کا احساس نہیں رہا تھا یوں لگتا تھا کہ اپنی دانست میں مجھ پر ظلم کرنے والے میری دنیا سے بہت دور کہیں اپنے ظلم میں مصروف ہیں یہاں تک کہ جب انہوں نے مجھ پر تپتی ہوئی چٹانیں رکھیں جن کے بوجھ تلے میری موت یقینی تھی تو مجھے صرف اتنا محسوس ہوا کہ انہوں نے ایک کھیل ختم کر کے دوسرا شروع کر دیا ہے۔ میں ان کی پہنچ سے باہر جا چکا تھا۔ ان کی حرکتیں مجھے احمقانہ لگ رہی تھیں۔ مجھے وہ ایسے لگ رہے تھے جیسے عکاظ کے میلے پر ناچنے والی بھیڑیں۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی تعذیب کے آخری لمحات کی کیفیت کی منظر کشی کا ایک انوکھا انداز بھی قارئین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ انسانی ظلم و تشدد کا مظہر یہ منظر کس قدر دل دوز اور ایماں افروز ہوگا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

پھر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھا دیا۔ مجھے اپنے سامنے سرسبز و شاداب کھیت نظر آنے لگے۔ چاروں طرف پھلوں سے لدے ہوئے درخت تھے۔ میں نے بہتے ہوئے جھرنوں کی گنگناہٹ سنی۔

مجھے اپنے اوپر ایک روح پرور سائے کا احساس ہونے لگا پھر میں ایک نہایت خوبصورت باغ میں داخل ہوگیا یہاں ہر رنگ، ہر نسل کے نوجوان مرد، عورتیں سیر وتفریح میں مشغول تھے۔ان کے چہروں پر وقار تھا۔اوران کے پور پور سے خوشیاں پھوٹ رہی تھیں۔انہوں نے مجھے خوش آمدید کہااورایک فوارے کے پاس لے گئے۔یہاں میں نے پانی پیا اتنا کہ میری روح کی پیاس بجھ گئی۔مجھے ایسے لگا جیسے میں ذات باری تعالیٰ کے قرب میں ہوں" میں نہیں جانتا یہ کیا تھا واہمہ تھا، کوئی وجدانی کیفیت تھی۔کوئی مافوق الفطرت کرشمہ تھا، کوڑوں سے میرا دماغ معطل ہوگیا تھا یا محض میری افتاد طبع تھی یا پھر اس میں سارے عناصر شامل تھے۔بہر کیف جو کچھ بھی تھا جلد ہی ختم ہوگیا۔لیکن میں آج بھی اپنے آپ سے پوچھتا ہوں کہ بلال رضی اللہ عنہ کیا واقعی تو نے جیتے جی جنت بریں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا"۔

اس باب میں مصنف ایچ،اے،ایل کریگ کی کتاب "حضرت بلال رضی اللہ عنہ" کے (اردو مترجم جناب محترم سلیم گیلانی صاحب سے اخذ کردہ اقتباسات کو رقم کرنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ ایک خاص تناظر اور طرز میں وہ تمام حقائق، احوال کیفیات، محسوسات، تصورات، خیالات مناظر اور ماحول وفضا کو قارئین کے سامنے لایا جائے۔جو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شخصیت، ان کی تعذیب وتشدد، ان کے کمال صبر واستقامت کی تجلیات، ان کا خدائے واحد سے سچا جذبہ عشق نشہ توحید کا کیف وسرور اور بیکراں ثمرات سے تعلق رکھتے ہیں۔مصنف نے ان سطور میں ان لمحات کے احوال مناظر جور وجفا اور تعذیب کے لئے نئے نئے انداز اور خود سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو ان جانگسل اور جوہر گداز مظالم کا نشانہ بنے، کے احساسات اور دل ودماغ اور جسم وجاں کی ظاہری اور باطنی کیفیت کو اپنی نوک قلم کے سپرد اس طرح کیا ہے گویا سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سامنے بیٹھے اپنی زبان سے خود ایک ایک حرف اور ایک ایک واقعہ بیان کر رہے ہیں۔مصنف کا یہ انداز مجھے اچھا لگا اور پھر اس واقعہ سے متعلق انسانی ذہن میں ابھرنے والے بعض سوالات اور ان کے

جوابات کا سامان موجود ہے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور آپ کا ابتدائی زمانہ کیا اور کیسا تھا؟ آپ کیوں اور کیسے اسلام لائے؟ سابقہ ابواب اور اس باب میں اپنی استطاعت کے مطابق مناسب طریقے اور موقع ومحل کے مطابق وضاحت کر دی ہے۔ آخر میں اتنا ہی کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سرور کون و مکاں ﷺ کی تعلیمات اور آپ کے اخلاق کریمانہ، سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ اور سرداران قریش کی محفلوں میں توحید و اسلام کے چرچوں اور مباحث سے توحید آشنا ہوئے۔ جب کسی پاکباز انسان کی روح میں توحید کی شراب داخل ہو جاتی اور وہ انساں اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے حوالے کر دیتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کیا تو اس پر ایسا وجد اور کیف و مستی کی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ امیہ کے کوڑوں کی پہنچ سے دور ہو جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ایسے محبوب بندوں کو اپنی حفاظت اور شفقت کے حصار میں لے لیتے ہیں۔ ایسی سعید روحوں کے لئے جنت بریں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور یہ وہ جگہ ہے یہاں کسی امیہ کی رسائی ناممکن اور داخلہ ممنوع ہے۔ امیہ کیا جانے نشہ توحید کیا ہے؟ اس کے کیا ثمرات ہیں؟ فلسفہ توحید امیہ جیسی بد روحوں کی سمجھ سے باہر ہے توحید کی منطق اور فلسفہ کو امیہ کا ادنیٰ غلام "بلال" سمجھ گیا تو ادنیٰ غلام بلند ترین درجات پر پہنچ گیا۔

سپیدۂ سحر کی نمود (آزادی)

کائنات کا خالق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور وہی قادر مطلق ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ انسان دنیا کی ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھ بیٹھا ہے اور یہ انسان اپنے سے کمزور انسانوں کو بھی اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان تو اپنے جسم، اس کے حصے اور اپنی زندگی کا بھی مالک نہیں بلکہ ایک سانس کا قطعی طور پر مالک نہیں۔ انسان کی اسی غلط سوچ نے اسے ظلوم وجہول (ظالم و جاہل) بنا دیا ہے اور انسان کی اسی سوچ اور روش کے باعث دنیا فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن گئی ہے۔ انسان کے ذہن میں یہ گندی اور جاہلانہ سوچ پرورش نہ پاتی تو کوئی امیہ کسی بلال کو نہ غلام بناتا اور نہ تازیانہ برساتا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آخری سزا کے لئے آج امیہ نے کھمبے کے ساتھ جکڑ دیا ہے تاکہ وہ اپنے زرخرید غلام کو حکم عدولی کا مزا چکھائے۔ پھر وہی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ان کے سینے پر بھاری پتھر اور تڑاخ تڑاخ کوڑے برسنے شروع ہو گئے اور بلال رضی اللہ عنہ جس نے اپنا سب کچھ اللہ کی رضا کی خاطر اللہ کے حوالے کر دیا تھا صبر و استقامت کا پہاڑ بنے بیٹھے تھے۔ عاشق ذوالجلال کی جبین ہمت پر شکن تک نہیں پڑی۔ یوں لگتا تھا وہ امیہ کے کوڑوں کی پہنچ سے بہت دور ہیں لیکن یہ منظر بڑا دل فگار تھا۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر بنو جمح کے محلے ہی میں تھا وہ آتے جاتے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نت نئے مظالم اور شدائد کا نشانہ بنتے دیکھتے تو بے تاب ہو جاتے اور سوچنے لگتے کہ اس مظلوم کو مشرکین کے پنجۂ وستم سے کیسے چھڑایا جائے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ادھر سے ہوا۔ یہاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آگ کی طرح سلگتی ریت پر لٹایا ہوا تھا۔ آپ کے سینہ پر بھاری چٹان رکھی ہوئی تھی۔ آپ کا دل عاشق رسول ﷺ کی حالت زار دیکھ کر بھر آیا اور امیہ کو فرمایا:

''اس مسکین کے بارے میں تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ کب تک اس بے کس پر یوں ظلم کرتے رہو گے''؟

امیہ بولا: اے ابوبکر تو نے ہی اسے خراب کیا۔ ہے اگر تمہیں اس پر زیادہ ترس آتا ہے تو اس کو چھڑا لو۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جھٹ فرمایا: میں تیار ہوں بولو کیا لو گے؟

ابوسفیان بول اٹھا یہ بات خلاف اصول ہے کہ ایک زیر اصلاح غلام کو خریدا جائے۔

امیہ نے جواب دیا۔ غلام مر چکا ہے اب اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ لاش خریدنا چاہے تو اس میں میرا ہی فائدہ ہے۔

تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے قریب آئے ان کو پکارا۔

امیہ حیرت سے بولا: غلام پیر ہلا رہا ہے پھر اس نے قریب ہو کر کان میں آہستہ سے کہا۔ سانس لے سیاہ فام سانس لے۔ پھر امیہ اپنے ساتھیوں کی طرف لپکا اور بولا آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے وہ کھیل کھیلوں گا جو کسی سے نہ کھیلا ہوگا۔ امیہ بن خلف نے ایک وحشیانہ قہقہہ کی گرج کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے کہا وہی امیہ جس کے غلام حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ تھے جس نے شروع میں بلال رضی اللہ عنہ کے دعوت ایمانی کو ریت کا محل اور بچوں کا کھیل سمجھ رکھا تھا۔ جس نے ایک غلام کے نغمہ توحید کو کچل ڈالنے کے لئے بدترین مشق ستم کی۔ پھر بھی روح ایمانی جب وہی نغمہ لاھوتی جبر و عقوبت کی خوفناک فضاؤں میں مسلسل الاپتی چلی گئی تو بے رحم آقا کی ساری آقائیت حیرت اور جھنجلاہٹ کے غلیظ سینے میں غوطے کھانے لگی۔

امیہ (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر) بولا: کیا قیمت دو گے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میرے پاس ایک مضبوط اور توانا غلام ہے وہ تیرا ہم مذہب بھی ہے وہ تم لے لو اور یہ نحیف و نزار غلام مجھے دے دو۔

امیہ نے کہا: مجھے منظور ہے۔

اچانک پھر امیہ بولا: قسطاس ہی نہیں اس کی بیوی بھی دینا ہو گی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک لمحہ پس وپیش کے بغیر فرمایا: "مجھے منظور ہے"

"لیکن اچانک پھر امیہ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"نہیں خدا کی قسم"

قسطاس اور اس کی بیوی کے ساتھ اس کی بیٹی بھی لوں گا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ثانیہ سوچا اور دوٹوک لہجے میں بولے" چلو دی" لیکن ایک بار پھر امیہ نے ہولناک قہقہہ بلند کیا۔نہیں۔خدا کی قسم! قسطاس بھی اس کی بیوی بھی۔اس کی بیٹی بھی اور دوسو دینار بھی مزید!

بولو بلال رضی اللہ عنہ کو خریدو گے؟" شرم" بار بار فرمان بدلنے والے کی شرارت سے بیزار ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے" کیا جھوٹ بولتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی؟"

لات وعزیٰ کی قسم! امیہ بن خلف نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا!"

بس یہ آخری قیمت ہے پھر بات طے شدہ سمجھو............

چل او کافر یہ بھی منظور ہے۔مسلمان بھائی بلال رضی اللہ عنہ کی غمخواری سے سرشار ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔

پیر محمد کرم شاہ ضیاء النبی جلد دوم صفحہ ۳۲۸ پر لکھتے ہیں کہ سعید بن میتب سے مروی ہے۔کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے اپنا غلام قسطاس امیہ کو دیا تھا۔

قسطاس کی قیمت کئی ہزار دینار تھی وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک کاروباری ادارہ کا انچارج تھا اتنا قیمتی غلام دیکر خستہ جاں بلال رضی اللہ عنہ لے لیا۔کیونکہ ایمان اور عشق مصطفیٰ ﷺ نے اسے انمول بنا دیا تھا۔جب مشرکین کو پتہ چلا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اتنی گراں قیمت ادا کر کے امیہ سے بلال خریدا ہے پھر اسے آزاد کر دیا ہے تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی اور حیرت کا اظہار کرنے لگے۔ان میں سے ایک نے کہا کہ حیرت

کی کوئی بات نہیں بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کوئی احسان کیا ہوگا۔ احسان کا بدلہ چکانے کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے گراں قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا اللہ تعالیٰ نے آیت اتار کر اس غلط فہمی کی تردید فرمائی۔

"اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے"۔

کہا جاتا ہے کہ جب سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ سے خرید لیا تو امیہ کی بیوی نے سمجھا کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اتنی بڑی قیمت دیکر بے وقوف بن گئے ہیں وہ کہنے لگی " ہم تو بلال رضی اللہ عنہ کو ایک اوقیہ سونے میں بھی بیچ ڈالتے۔ بلال رضی اللہ عنہ ہمارے لئے سب سے بے قیمت چیز کے سوا آخر کیا ہے۔

عاشق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مؤلف ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی کے مطابق یہ الفاظ امیہ کی بیوی ہند نے نہیں بلکہ خود امیہ نے کہے تھے اس کے جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم ہزار دینار بھی مانگتے تو دے دیتا۔

کتاب "بلال" کے مصنف کریگ کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ادھر امیہ لہک لہک کر اپنی رقم گن رہا تھا اس کی ہنسی تھی کہ تھم نہیں رہی تھی " ابن ابوقحافہ نے اس کے دو سو درہم دیئے ہیں میں تو اسے سو پر بھی بیچنے کو تیار تھا"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا امیہ دھوکا میں نے نہیں تم نے کھایا ہے مجھ سے پوچھو تو یمن کی بادشاہی بھی اس کے آگے ہیچ ہے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قیمت امیہ کو ادا کر دی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے انہیں چٹانوں کے نیچے سے نکالا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو سہارا دیکر آپ کے گھر لائے۔ کفر دنیا کی پرستش کا دوسرا نام ہے۔ کفر کے نزدیک دنیا کی سب سے قیمتی چیز سونا چاندی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارے سر میں امیہ بن خلف کا دماغ ہے یا ہمارے سینے میں سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سا دل ہے؟ ہمیں اللہ سے محبت ہے یا دنیا کے

مال سے؟

اسد الغابہ میں سعید بن مسیب کے حوالے سے تحریر ہے کہ وہ (سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ) اپنے دین پر بڑے حریص تھے انہیں سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ جب مشرک لوگ انکو اپنے پاس بلاتے تھے تو یہ اللہ اللہ کہتے تھے پھر نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے اور فرمایا اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عباس بن عبد المطلب کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ بلال رضی اللہ عنہ کو ہمارے لئے خرید دو چنانچہ عباس گئے اور بلال رضی اللہ عنہ کی مالکہ سے کہا کہ کیا تم اس غلام کو بیچو گی؟ قبل اس کے اس کی بھلائی جاتی رہے اس نے کہا کہ اس غلام کو تم کیا کرو گے یہ خبیث ہے اور ایسا ہے اور ویسا ہے غرض اس نے ٹال دیا۔ پھر عباس اسے ملے اور اسی قسم کی گفتگو کی۔ غرض انہوں نے بلال رضی اللہ عنہ کو مول لے لیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس حال میں مول لیا تھا کہ وہ پتھر نیچے دبے ہوئے تھے اور انہیں تکلیفیں دی جارہی تھیں۔

سیر الصحابہ میں لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک روز معمول کے مطابق وادئ بطحا میں مشق ستم بنائے جارہے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم دیکر آزاد کر دیا۔ آنحضور ﷺ نے سنا تو فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے بھی اس میں شریک کرلو آپ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں آزاد کر چکا ہوں۔

ایچ۔اے۔ایل کریگ (مصنف حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کے مطابق سیدنا بلال رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پانچ روز تک فروکش رہے چونکہ آپ زخموں سے چور تھے اس لئے آپ کو ایک کمرے میں رکھا گیا اور آپ کی مرہم پٹی اور تیمارداری کی جاتی رہی۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ تین دن تک بے ہوش رہے اور اس اثناء

میں رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے رہے اور آپ کے سرہانے دعا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا بخار ختم ہوگیا اور حضور ﷺ نے آپ کو اس وقت چھوڑا جب یقین ہوگیا کہ آپ محفوظ ہوگئے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی اور فرمایا۔ "بلال رضی اللہ عنہ دائرہ اسلام میں آ گئے ہیں" چھٹے روز حضرت بلال رضی اللہ عنہ اٹھنے کے قابل ہوگئے تو سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کل ہم دونوں پیغمبر ﷺ کے پاس چلیں گے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

آزادی کے بعد چھٹے روز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چٹائی پر تشریف فرما تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو اچھل پڑے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو اس وقت کمسن تھے نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں رو رہے ہیں یہ کوئی برا آدمی ہے کیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''نہیں علی رضی اللہ عنہ۔ یہ وہ شخص ہے جسے خدا کی خوشنودی حاصل ہے''۔

یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے بغل گیر ہو گئے اور ان کو گلے لگایا اور فرمایا:

''بلال رضی اللہ عنہ! جب تک دنیا قائم ہے یہ بات یاد رکھی جائیگی کہ اسلام کی راہ میں اذیت برداشت کرنے والے پہلے شخص تم تھے''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑا اور چٹائی پر بیٹھنے کو کہا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ متذبذب تھے کہ کہاں وہ اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو قریش کی عالی نسب ہستی تھے۔ کیوں کہ انہوں نے تو صرف ایستادہ رہنا سیکھا تھا اور یہ ان کی عادت بن گئی تھی۔ اتنی بڑی ہستی کے ساتھ بیٹھنے کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشفقانہ انداز میں فرمایا: دیکھو بلال رضی اللہ عنہ! تمہیں بیٹھنا ہوگا۔

چنانچہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ چٹائی پر پہلی بار اہل منصب کے پہلو میں بیٹھ گئے اور یہیں سے ان کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رفاقت کا آغاز ہوا جو بائیس سالوں پر محیط ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے کرتب دکھانے میں مصروف تھے اتنے میں ام المومنین سیدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی چاروں بیٹیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم بھی تشریف لے آئیں اور ایک دائرے میں بیٹھ گئیں۔ یہ بڑی شفیق ہستیاں تھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تو معصومانہ انداز میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے حبشہ اور وہاں کے حالات کے بارے میں کچھ سوالات بھی کئے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو حبشہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے ادھر ادھر کے جواب دیتے رہے۔ اتنے میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کھجوروں کی ایک ٹوکری لے آئیں اور آپ ﷺ ان میں نرم نرم اور پکی ہوئی کھجوریں تلاش کر کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیتے اور خود جو کھجور ہاتھ لگتی کھا لیتے۔ پھر ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو بڑی خوش مزاج، خوش و خرم اور پروقار تھیں نے دودھ منگوا کر پلایا۔ پھر رسول کریم ﷺ نے جب صحن میں بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمایا تو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اٹھتے وقت لڑکھڑا کر گرنے والے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں سہارا دیا اور دوبارہ بٹھا دیا۔ رسول کریم ﷺ نے خون کو گردش میں لانے کے لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اٹھانے کی کوشش کی بسیار کوشش کے بعد وہ کھڑے ہوئے تو ان کا درد غائب تھا۔ چلتے چلتے آنحضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

بلال رضی اللہ عنہ! تم اللہ کو کس طرح جانتے ہو؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا! میرا دل اللہ کی شہادت دیتا ہے۔

آپ ان کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

میں اللہ کو جانتا ہوں لیکن پھر بھی نہیں جانتا کیا اللہ تلاش سے مل جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے مشفقانہ لہجے میں فرمایا: ہاں! بلال رضی اللہ عنہ تلاش سے اس کی عبادت سے اس کی حمد و ثنا سے اور اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہو جاتا ہے لیکن ہمیشہ یاد رکھنا! بندہ اللہ کو نہیں پاتا۔ اللہ بندے کو خود تلاش کرتا ہے۔ ایمان

بندے کی صفت نہیں۔ اللہ کا عطیہ ہے"۔

"میں اللہ کا پیغمبر ہوں اور مجھے علم ہے اللہ تک رسائی کا راستہ اسلام ہے"۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس یادگار دن اسلام کا لفظ دوسری بار پھر سنا تھا لیکن لفظ کا اصل مفہوم ان پر واضح نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ اسلام کا مطلب ہے اپنے آپ کو اللہ وحدہ لاشریک کی مرضی کے تابع کر لینا۔ اسلام کا مطلب ہے انسانوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا خواہ کسی رنگ، کسی نسل، کسی منصب کے ہوں۔ اسلام نوع انسان کی مساوات کا پیغام ہے۔ اسلام انسان کے لئے اللہ کا منتخب کیا ہوا دین ہے۔ یہ تھی سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے پہلی ملاقات اور اس طرح ان کے اسلام کی ابتداء ہوئی۔ اس کے بعد سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو ہمہ تن سرور انبیاء ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ دکھ ہو یا سکھ سفر ہو یا حضر، وعظ و تبلیغ کی مجالس ہوں یا جنگ کا میدان، وہ ہمیشہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے تھے۔ اس طرح آپ کو خادم رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے لکھنا سیکھا

علم بالقلم (القران)

"(ہم نے انسان کو) قلم سے سکھایا"۔

طالب علم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہے (حدیث نبوی ﷺ)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سرور کون و مکاں ﷺ کی خدمت میں آ جانے کے بعد شروع شروع میں سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر قیام کیا۔ یہاں ہر طرح سے آرام وراحت اور سکون تھا اور ظلم و جفا کا نام تک بھی نہ تھا۔ یہیں سے ان کے حالات یکسر بدل گئے۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ سب سے پہلے نماز پڑھتے پھر اپنی تین بکریوں کا دودھ دوہتے اور پھر دوسرے کام کرتے تھے۔ ایک دن میں نے انہیں بکریوں کے باڑے سے آتے دیکھا تو ایک مرتبہ پھر ان کا شکریہ ادا کیا کیونکہ انہوں نے مجھے خرید کر آزاد کیا تھا میری بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ الٹا انہوں نے میرا شکریہ ادا کرنا شروع کر دیا اور پھر کہنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ غلاموں کو آزاد کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ یہ بات انہوں نے شرماتے شرماتے کہی بلکہ یہ کہتے ہوئے ان کی زبان ایک آدھ بار لڑکھڑائی بھی وہ کہنے لگے۔ بلال اب تمہیں نئے کام کرنے ہوں گے اور شاید اتنے سخت کہ اب سے پہلے کبھی نہ کئے ہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ معاً میرے منہ سے نکلا۔

جو حکم آقا مگر میرے اس جواب سے انہیں صدمہ پہنچا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دودھ کا برتن زمین پر رکھ کر مجھے دونوں کانوں سے پکڑ لیا۔ میری پیشانی سے اپنی پیشانی بار

بار ٹکراتے ہوئے کہا۔

''سنو بلال رضی اللہ عنہ اب تم آزاد ہو۔ آزاد ہونے کا کیا مطلب ہے یہ تمہیں سیکھنا ہے''۔

جی ہاں! میں نے جواب دیا۔

پھر یکا یک آپ ہنس پڑے اور میرے کان چھوڑ دیئے اور کہنے لگے'' بلال رضی اللہ عنہ اگر میں تمہیں ایک قلم بنا دوں تو تم لکھنا سیکھنے کی کوشش کرو گے''؟

میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رہبری اور نگرانی میں لکھنا سیکھنا شروع کر دیا۔ میں نیل کے پتوں سے سیاہی بناتا پھر کھال پر، درختوں کی چھال پر، ہڈیوں پر، گیلی زمین پر، راکھ اور پتھروں پر غرض ہر اس چیز پر جس پر لکھا جا سکتا تھا چلتے پھرتے میں ہوا میں بھی انگلیوں سے کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر روز تھوہر کا ایک قلم تراش کر دیتے تھے۔ اب ان کا صبح کا معمول یوں ہو گیا تھا۔ پہلے نماز، پھر قلم، پھر بکریوں کا دودھ، ایک روز میں سیاہی بنا رہا تھا کہ سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ بہت خوش تھے مجھے سیاہی بناتا دیکھ کر آپ اور بھی خوش ہوئے۔ انہوں نے یکا یک میرے سیاہی سے لتھڑے ہاتھوں کو چوم لیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے ایک گدے کے پاس لے گئے اور بیٹھنے کو کہا اور ساتھ ہی آپ خود بھی بیٹھ گئے اور کہنے لگے جانتے ہو آج رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا؟ جب ہم بیٹھ گئے تو انہوں نے کہا۔ طالب علم کی سیاہی، شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہے۔ یہ رسول کریم ﷺ کے الفاظ ہیں۔ پھر میں اٹھا دونوں ہاتھ سیاہی میں ڈبو دیئے اور باہر نکالے اور بار بار انہیں دیکھتا رہا۔

پاسبان دار الارقم

حضرت ارقم مخزومی رضی اللہ عنہ بڑے معزز و محترم صحابی تھے۔ آپ ابتداء میں اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ آپ غالباً تیرھویں مسلمان تھے آپ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو مخزوم سے تھا آپ رضی اللہ عنہ ۵۹۰ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ ۵۳ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور آپ مدینہ شریف میں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

ان کا قلعہ نما مکان بیت اللہ کے نزدیک کوہ صفا کے دامن میں واقع تھا۔ ظہور قدسی کے بعد جب نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو حضور ﷺ نے اہل ایمان کی روحانی تربیت اور تدریس قرآن کے لئے اسی گھر کو منتخب فرمایا اور وہاں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ اکثر اوقات صحابہ کرام یہاں جمع ہوتے تھے اور رشد و ہدایت سے مستفید ہوتے تھے۔ اسلام کی اس اولین درس گاہ نے مسلمانوں کی تعلیمی تشنگی کی تسکین کے لئے گراں مایہ خدمات سرانجام دیں۔ یہی وہ درس گاہ ہے جہاں قریش مکہ کی بڑی شخصیات نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام کی انقلابی تحریک میں شرکت کی اور قافلہ توحید میں شمولیت اختیار کی۔ یہی وہ مبارک گھر ہے جہاں حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا والدہ حضرت عمار اسلام لائیں۔ اسی دار الارقم میں سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کا شرف حاصل ہوا اور یہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب دولت ایمان سے مالا مال ہوئے اسی مبارک اور سعادت والے گھر میں سرور کائنات ﷺ اکثر قیام فرمایا کرتے تھے اور اسی بیت ارقم میں مسلمان آنحضور ﷺ کی قیادت میں نماز با جماعت ادا کیا کرتے تھے۔ اس گھر میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی تھی۔

یہ مکان بعد میں حضرت ارقم مخزومی نے وقف کر دیا تھا۔ اسی تاریخی اہمیت والے گھر کے پہلے پاسبان اور محافظ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے اور یہ آپ کا بہت بڑا شرف تھا۔ یہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ

باجماعت نماز پڑھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے وعظ و نصیحت اور ارشاد و تبلیغ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ آپ، دارالارقم کے دروازے پر ہر وقت پہرے کے لئے موجود رہتے تھے اور آپ اس قدر چوکس رہتے تھے کہ کفار مکہ کی کوئی سازش کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔

بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی دارالارقم کا نصف حصہ نئی تعمیرات۔ کے سلسلہ میں شامل کر لیا گیا ہے جو کوہ صفا کے قریب سے منیٰ کو جاتا ہے اور باقی حصہ ایک دوکان میں شامل کر لیا گیا ہے۔ لہٰذا دارالارقم نامی کوئی عمارت اب مکہ میں موجود نہیں۔

(بحوالہ سفرنامہ ارض القرآن صفحہ ۱۵۴، ۱۵۱، از مولانا مودودی)

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسی دارالارقم میں سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہاں پر موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے جب نعرہ تکبیر بلند کیا تھا۔ جس سے کوہ ابو قبیس کی چوٹیاں گونج اٹھی تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر آپ نے بلند جگہ پر کھڑے ہو کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی خبر دہرائی تو کفر کے ایوان میں اسی صدائے رعد کو سن کر زلزلہ بپا ہوا اور مشرکین نے کہا "ہم دو ٹکڑے ہو گئے"۔

شب معراج اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ

سرور کونین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے طائف کے واقعہ فاجعہ کے بعد اور ہجرت مدینہ کے درمیانی مدت سے ملکوت السموات والارض کی سیر کروائی۔ معراج سے واپسی پر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"جنت تو بلال رضی اللہ عنہ کی مشتاق ہے"۔

پھر حضور اکرم ﷺ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا:

لِمَ سَبَقْتَنِیْ اِلَی الْجَنَّةِ یَا بِلَالُ؟

اے بلال تم کونسا عمل کرتے ہو جس کی وجہ سے میں نے تمہیں جنت میں اپنے آگے دیکھا ہے اور تمہارے قدموں کی چاپ سنی ہے؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا کہ میں نے جب بھی وضو کیا ہے دو رکعت تحیۃ الوضو ضرور ادا کرتا ہوں۔

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: اے بلال رضی اللہ عنہ تو نے یہ سعادت اس عمل کی وجہ سے پائی ہے۔ (بخاری شریف)

ویسے بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپ اکثر رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے احتیاطاً چلا کرتے تھے۔ اسی لئے جنت میں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی رحمت کے صدقے خادم رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رفاقت کا شرف حاصل ہو گیا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب یہ واقعہ ہجرت مدینہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو سناتے تھے تو شدت غم ہجراں حبیب ﷺ کے سبب ان کی آنکھیں اشکبار ہو جایا کرتی تھیں۔

توحید کے علمبردار اور عاشق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ بلند مقام و مرتبہ صرف خدائے وحدہ لاشریک سے بے پناہ محبت اور سرکار حضور اکرم ﷺ سے عشق صادق کی بدولت حاصل ہوا۔ واقعہ معراج در حقیقت سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قسمت کی معراج کا مظہر ہے۔

شعب ابی طالب اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ

روح فرسا شدید مظالم کے باوجود قریش مکہ تحریک اسلامی کا راستہ روکنے میں ناکام ہوئے۔ کارواں توحید بڑھتا ہی گیا تو انہوں نے (محرم ۷ نبوی) پیغمبر اسلام ﷺ اور خاندان بنو ہاشم کے سماجی مقاطعہ کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ اس پر بنو ہاشم اور آل عبد المطلب (ماسوائے ابو لہب کے) آنحضرت ﷺ کی جان خطرے میں پا کر شہر سے نکل کر شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ یہ پہاڑ کے دامن میں ایک گھاٹی جو بنو ہاشم کی ملکیت تھی اور ابو طالب کے نام سے معروف تھی۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کے لوگ تین سال تک اس گھاٹی میں محصور رہے یہ بڑا ابتلا کا دور تھا۔ کفار مکہ کی طرف سے تحریک اسلامی کو کچلنے کی یہ بہت بڑی منظم سازش تھی۔ حضور ﷺ حج کے ایام میں حاجیوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے لیکن کامیابی نہیں ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کے ان تبلیغی دوروں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ہمراہ ہوتے اور ہر ممکنہ خدمت بجالاتے۔ ایسے ہی ایام کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے ایک بار فرمایا:

> "اللہ کی راہ میں مجھے ڈرانے اور دھمکانے کے لئے وہ کچھ کیا گیا کہ کسی دوسرے کے لئے نہیں کیا گیا، اللہ کی راہ میں مجھے اتنا دکھ دیا گیا کہ کسی دوسرے کو نہیں دیا گیا اور مجھ پر تیس دن رات مسلسل ایسے گزرے کہ میرے اور بلال رضی اللہ عنہ کے لئے کوئی ایسا کھانا مہیا نہیں ہو سکا جسے جاندار کھاتے ہوں بجز اس شے کے کہ جسے (چھوٹی سی پوٹلی بنا کر) بلال رضی اللہ عنہ اپنی بغل میں دبا لیتے" (ترمذی شریف)

دراصل قریش مکہ کا سوشل بائیکاٹ (معاشرتی مقاطعہ) کا معاہدہ جس پر چالیس سرداروں کے دستخط تھے۔ سفارت حبشہ کی ذلت آمیز ناکامی کا ردعمل تھا۔ اس ناکامی کے بعد قریش مکہ کو ایک اور سانحہ کا صدمہ بے قرار کئے ہوئے تھا۔ یہ سانحہ حضرت حمزہ رضی اللہ

عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا تھا۔ ان واقعات سے کفار مکہ بوکھلا اٹھے تھے۔ انہوں نے ہر قیمت پر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کا عزم صمیم کر لیا تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ بنو ہاشم محمد ﷺ کا سماجی مقاطعہ کریں یا محمد ﷺ کے دعوے سے باز آ جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اسلام کو صحرا کے حوالے کر دیا جائے جہاں وہ اپنی تمام جزئیات سمیت سورج کی ہولناک تپش و تمازت میں جل بھن کر اپنی موت مر جائے۔ اس سازش اور حکمت عملی کا موجد دشمن اسلام ابو جہل تھا۔

تین سالوں کے اس عرصہ میں اہل ایماں پر کیا گزری؟ یہ داستاں خونچکاں نا قابل بیان ہے۔ شدید موسم، آگ برساتے صحرا کی گرمی اور ریگستاں کی جاں لیوا سردی، شدت بھوک اور پیاس، اور پھر مجبوری ہی سب کچھ تھا۔ سورج کی گرمی نے کتنے بچے ہلاک کر دیئے اور پھر کتنے ضعیف رات کی سردی کی نذر ہو گئے یہ صبر آزما گھڑیاں۔ اس برداشت میں بھی سبق تھا۔ آخر کار اہل ایمان کا یہ مختصر سا قافلہ آزمائش کے صبر آزما سفر کو طے کر کے سرخرو اور مضبوط بن کے ابھرا۔

قبل از ہجرت کے حالات و معمولات

امیہ بن خلف سے خرید کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جب سے آزاد کیا تھا۔ آپ سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ پر ہی آرام فرماتے اور وہیں انکے قیام و طعام کا بندوبست تھا۔ آپ صبح سویرے اٹھتے اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہوتے اور آپ ﷺ کی خدمت بجالاتے۔ بازار سے سودا سلف خرید لاتے۔ چکی پیتے، مشکیزے بھرلاتے اور گھر کے معمولی کام کاج میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی معاونت کرتے اور جب فارغ ہوتے تو محفل نبوی میں آ بیٹھتے۔ آپ ﷺ کی غلامی میں آجانے کے بعد سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مسلسل رسول کریم ﷺ کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اتنی قربت کی سعادت شاید ہی کسی اور صحابی کو نصیب ہوئی ہو۔

پیغمبر اعظم ﷺ کو شعب ابی طالب سے واپسی کے بعد بھی سکھ چین نصیب نہ ہوا۔ آپ ﷺ کے مصائب میں اور بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ۱۰ نبوی میں آپ ﷺ کی مونس اور غمگساری بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رحلت فرماگئیں پھر تین دن کے بعد آپ ﷺ کے سرپرست اور آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب بھی داغ مفارقت دے گئے۔ اب آپ ﷺ یکاوتنہا رہ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو طالب کی وفات ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔ اس طرح ۱۰ نبوی آپ ﷺ کے لئے حزن وغم کا پیغام لے کر آیا۔ ان دو ہستیوں کے اٹھ جانے سے آپ ﷺ خود کو بے سہارا سا محسوس کرنے لگے ادھر ابو جہل اور ابولہب اور ان کے ساتھیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ان کی سازشوں اور مظالم میں دن بدن اضافہ ہونے لگا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ سارے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ قریش مکہ سے تنگ آ کر آپ ﷺ نے طائف جا کر تبلیغ اسلام کا

پروگرام بنایا۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خود رسول کریم ﷺ کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رخصت کیا۔ آپ ﷺ طائف پہنچ کر عمرو بن امیہ کے بیٹوں جو کہ سردارانِ طائف تھے کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے توہین آمیز سلوک کیا۔ شہر کے غنڈوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ پر اس قدر سنگباری کی کہ آپ ﷺ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ آپ ﷺ کے نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو کندھوں پر اٹھا کر شہر سے باہر ایک باغ میں لائے۔ وہاں عتبہ و شیبہ کے عیسائی غلام عداس نے آپ ﷺ کی خدمت میں انگوروں کا خوشہ پیش کیا۔ کتنا خوش نصیب تھا عداس جس نے انگوروں کے ایک خوشے کے عوض جنت کا سودا کر لیا۔ زندگی کتنا بڑا جوا ہے اور حادثات کسی کسی کے لئے کتنے خوش آئند ہوتے ہیں۔ جنت کا راستہ طویل بھی ہے اور مختصر بھی۔

آنحضور ﷺ دو ہفتے بعد طائف سے لوٹے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ اتنے نحیف و کمزور ہو چکے تھے۔ کہ پہچانے نہیں جاتے تھے۔ جسم پر جگہ جگہ زخم تھے۔ آپ ﷺ مشکل سے قدم اٹھاتے تھے۔ آپ ﷺ نے آتے ہی پانی مانگا پانی پی کر خاموشی سے اندر چلے گئے اور جا کر بستر پر لیٹ گئے۔ نہ آپ ﷺ نے کچھ کہنا مناسب سمجھا اور نہ ہی کسی کو کچھ پوچھنے کی جرأت ہوئی۔ بعد میں حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تمام ماجرا سنایا۔ کفار مکہ کے مظالم انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ مشیت ایزدی کا خفیہ ہاتھ پیغمبر خدا ﷺ اور اہل ایمان کی نجات کا سامان کرنے کے لئے مصروف تھا۔

قادر مطلق اپنے محبوب بندوں کو آزماتا ضرور ہے۔ مگر انہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ ان ہی دنوں مدینہ کی سمت سے بادِ نسیم کے جاں افزا ٹھنڈے جھونکے آنے لگے۔

ایام حج کے دوران رسول ﷺ ایک چاندنی رات کو اپنی خفیہ قیام گاہ عقبہ کی گھاٹی میں صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ یثرب (مدینہ) کے بارہ افراد پر مشتمل وفد سے آپ

ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ یہ لوگ آپ ﷺ کو مدینے میں قیام کی دعوت دینے آئے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ رسول کریم ﷺ ان کے شہر میں چل بسیں اور اہل یثرب جو باہمی عناد اور نزاع کا مستقل شکار ہیں میں صلح کرا دیں۔ یثرب کے دو قبائل اوس اور خزرج باہمی جنگ و جدل کا شکار تھے۔ انہوں نے سن رکھا تھا مکہ میں ایک پیغمبر ہے۔ جو اخوت کا سبق دیتا ہے۔ اس شہرت کی بناء پر وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کو امید تھی۔ کہ شاید ان کی وجہ سے یہ فساد ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور اہل مدینہ امن و سکون سے زندگی گزارنے لگیں۔ انہیں اس تعلق کا بھی علم تھا کہ محمد ﷺ کے والد اور والدہ دونوں مدینہ میں دفن ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو مہلت دی تا کہ وہ لوگ پیغمبر خدا کے موقف اور اپنے آپ کے بارے میں اچھی طرح سوچ و بچار کر لیں۔ آپ ﷺ نے تبلیغ کی غرض سے ان کے ہمراہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ جو نہایت خوش پوش تھے اور ان کی شکل و صورت بھی آنحضور ﷺ سے مشابہ تھی۔ پورے ایک سال بعد یہ لوگ ۱۳ نبوی میں واپس ایام حج میں عقبہ کی خفیہ آماجگاہ میں آپ ﷺ سے ملے۔ اس بار ان کی تعداد ۷۵ تھی۔ ان میں دو عورتیں اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے پھر وہی پہلے والی پیشکش دہرائی کہ آپ ﷺ ان کے شہر میں آ کر سکونت اختیار کریں اور ان کے تنازعات کا تصفیہ کریں۔ آپ نے ایک لمحے کے توقف کے بعد اپنے سر کی ہلکی سی جنبش سے ان کی درخواست منظور کر لی۔ آپ ﷺ کی اسی ایک لمحے کی سوچ نے دنیا کی تاریخ کو بدل دیا۔ اس کے اثرات قیامت تک کے عرصہ پر محیط ہیں۔ اسی ایک لمحے کے اندر اقوام کا مستقبل، انسان کی دنیوی و دینی نشوونما، عالم انسانیت کا ہمہ گیری ارتقاء، تہذیب و تمدن کے عالمگیر معیار کا فروغ اور سب کچھ اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ یہ ایک لمحہ اپنے اندر ایک عظیم انقلاب لئے ہوئے تھا۔ جس کا اس وقت کسی کے ذہن میں وہم و گمان تک بھی نہ تھا آپ ﷺ نے اہل یثرب سے عہد لیا۔

آپ لوگ وعدہ کریں اللہ کی عبادت کریں گے۔ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں

گے۔خواتین کے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔اپنی بیٹیوں کو قتل نہیں کریں گے۔جھوٹ نہیں بولیں گے۔چوری نہیں کریں گے اللہ کے قوانین پر کار بند رہیں گے اور ان لوگوں کو تحفظ دیں گے جو اللہ کے رسول کے ساتھ مدینے جائیں گے۔(سیرت النبی از علامہ شبلی نعمانی)

اکثر اہل سیر و مغازی نے یہ بیعت بیعت عقبہ اول سے منسوب کی ہے۔پیر محمد کرم شاہ الازہری نے بھی یہ بیعت ان لوگوں سے منسوب کی ہے جو بیعت عقبہ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔بیعت عقبہ ثانی کے وقت آپ ﷺ نے انصار مدینہ سے یہ بیعت لی تھی۔

(۱) میری بات سنو گے اور اس کو بجا لاؤ گے خوش دلی کی حالت میں بھی اور ماندگی اور افسردگی کی حالت میں بھی۔

(۲) تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تنگ دستی میں بھی اور فارغ البالی کی حالت میں بھی۔

(۳) تم نیکی کا حکم کرو گے اور برے کاموں سے روکو گے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے لئے گفتگو کرو گے اور کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرو گے۔

(۵) نیز اس بات پر کہ جب میں تمہارے پاس یثرب آؤں تو تم میری مدد کرو گے۔اور ہر اس چیز سے میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنی جانوں اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کا دفاع کرتے ہو۔

اس موقع پر آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس نے انصار سے خطاب فرمایا اور کہا:

اے گروہ خزرج محمد ﷺ کا جو مقام ہماری نگاہوں میں ہے اس سے تم باخبر ہو اپنی قوم قریش کے ساتھ ہم عقیدہ ہوتے ہوئے بھی ہم نے قریش کے مقابلہ میں آپ ﷺ کا دفاع کیا ہے۔وہ اپنی قوم میں معزز ہیں اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔انہوں نے اب طے کر لیا کہ مکہ چھوڑ کر تمہارے ہاں مستقل ہو جائیں۔اور تمہارے پاس رہائش پذیر ہوں گے۔ اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ جو معاہدہ تم نے ان سے کیا ہے، اس کو ہر قیمت پر پورا کرو گے اور ان کے دشمنوں سے ان کا دفاع کرو گے تو تم جانو اور تمہارا کام لیکن اگر یہ تمہارا خیال ہے کہ کسی مرحلہ پر بھی ان سے دست کش ہو جاؤ گے اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دو گے تو آج ہی

دستبردار ہو جاؤ کیونکہ وہ اپنے شہر میں معزز اور محفوظ ہیں۔

انصار نے جواب دیا! اے عباس جو آپ نے کہا ہم نے سن لیا یارسول اللہ ﷺ اب آپ ﷺ ارشاد فرمایئے اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے جو شرائط آپ ﷺ پسند فرماتے ہیں وہ ہم سے منوا لیجئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

میں اپنے رب کے لئے تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور اپنے لئے تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں کہ تم برابر اس دشمن سے دفاع کرو گے، جس سے تم اپنی مستورات اور اولاد کا اور جانوں کا دفاع کرتے ہو۔

انصار مدینہ میں سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔

اس کے عوض ہمیں کیا ملے گا؟

حضور اکرم ﷺ نے ایک لفظ میں جواب دیا۔

''جنت''

حضرت براء بن مسعود نے آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

''یارسول اللہ ﷺ خدائے واحد کی قسم ہم جان و مال سے آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ ہم نے تلواروں کی چھاؤں میں پرورش پائی ہے اور جنگ آزمائی ہمیں ورثے میں ملی ہے''۔

ابوالہشیم نے سوال کیا۔

''یارسول اللہ ﷺ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ آپ ﷺ قوت و اقتدار پا کر ہمیں چھوڑ دیں اور واپس اپنے قبیلے میں چلے جائیں''۔

حضور اکرم ﷺ نے مسکرا کر جواب دیا:

میرا خون تمہارا خون، تمہاری ذمہ داری میری ذمہ داری، تمہارا دشمن، میرا دشمن، تمہارا دوست میرا دوست میں تمہارا اور تم میرے''۔

یہ سن کر سب سے پہلے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ابوالہشیم اور سعد بن زرارہ رضی اللہ

عنہ نے بیعت کی اور دوسرے تمام انصار نے۔ آپ ﷺ نے مستورات کی بیعت سر کے اشارے سے قبول کی۔

بیعت عقبہ ثانی ایک دوطرفہ معاہدہ ہے جو بظاہر سادہ سے الفاظ کا مجموعہ ہے۔ بعض لوگ اسے معاہدہ عقبہ ثانی بھی کہتے ہیں اور بعض اسے بیعت عقبہ ثانی کا نام دیتے ہیں۔ در حقیقت معاہدے کے ان سادہ الفاظ میں عواقب۔ کے لحاظ سے ایک مکمل تاریخ پوشیدہ ہے۔ جس کو اس وقت شاید کسی نے سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ہو۔ سادہ الفاظ پر کون غور کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ان سادہ الفاظ کی گہرائیوں میں نہضتہ انقلابات اور تاریخی اہمیت کے حامل واقعات کو صرف پیغمبر ﷺ نے ہی سمجھا ہو گا۔ پیغمبر تو ہوتے ہی بلند نگاہ لوگ ہیں۔ بہر حال عقبہ کے مقام پر پہاڑیوں کے درمیان دریا کی ایک سوکھی گودی میں کی جانے والی بیعت ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ جو قدسی صفات لوگوں کے درمیان طے پایا اور وہ بھی ایک چاندنی رات کی پچھلے پہر جب رب ذوالجلال والاکرام مقام محمود پر جلوہ افروز ہو کر اہل زمین پر رحمتوں کی باراں برسانے کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ عقبہ کی اس بیعت کے بعد لوگوں نے دیکھا کیا کیا انقلاب آئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ہجرت

اسلام دنیا بھر کے تمام مذاہب میں سب سے اچھا مذہب ہے۔ یہی وہ دین ہے جو خودی کے سر نہاں کا انکشاف کرتا ہے۔ نسل آدم کو انسانیت کی معراج تک لے جاتا ہے۔ اس دین پر عمل پیرائی سے اس زمین پر بسنے والوں پر قدسیوں کو بھی رشک آنے لگتا ہے۔ اس دین کے فلسفہ توحید کے راز دانوں اور عشاق کا مقام و مرتبہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ جنت ان کی مشتاق ہو جاتی ہے۔ جب وہ زمین پر چلتے ہیں تو ان کے قدموں کی آہٹ جنت میں بھی سنائی دینے لگتی ہے لیکن یہ راہ بڑی کٹھن اور پر مصائب ہے۔ یہ دین جب تقاضا کرے تو اس کے لئے جان و مال کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑتا ہے۔ وطن کو بھی خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ دین تقاضا کرے تو بعض دفعہ دنیا کی ہر چیز نثار کرنی پڑتی ہے۔ قریش مکہ کا جور و ستم جب انتہا کو چھونے لگا تو اہل ایمان نے اپنا دین بچانے کے لئے سن پانچ نبوی اور پھر سن سات نبوی میں اپنا سب کچھ قربان کر کے ملک حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی لیکن جب شعب ابی طالب میں محصوری کے تین سالہ پر آشوب دور میں ہونے والے مظالم اور سفر طائف کے جاں گسل سانحہ کے باوجود کفار مکہ کی آتش انتقام ٹھنڈی نہ ہوئی تو سرور کائنات ﷺ نے نبوت کے تیرہویں سال مکے سے ہجرت کا فیصلہ کر لیا۔ کفار مکہ کے عذاب سے بچنے اور دین کو بچانے کا صرف یہی ایک راستہ تھا۔ اہل ایمان کی منزل مقصود مدینہ بڑی ہی پر کشش خوب صورت اور شاداب جگہ تھی سب کو مدینے جانا تھا۔ حکمت عملی یہ تھی کہ لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں صحرا میں نکل جائیں اور رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر الگ الگ راستوں سے ہوتے ہوئے مدینہ پہنچ جائیں۔ یہ کام نہایت احتیاط اور ذمہ داری سے کیا گیا۔ ہر ٹولی کی ہجرت کی رات اور وقت رسول کریم ﷺ خود متعین فرماتے تھے، حضور ﷺ مہاجرین کی ہمت بڑھاتے تھے اور ان کے زاد راہ کا انتظام کرتے تھے۔ ان کو خدشہ

تھا کہ دشمن کہیں سفر میں مسلمانوں کو گھیر کر ان کا قتل عام نہ کر دیں۔اس لئے حکم یہ تھا کہ ٹولیاں فاصلے فاصلے سے چلیں اور جب تک اطمینان نہ ہو جائے کہ اب دشمن کی دسترس سے باہر ہیں تب تک کسی جگہ اکٹھے نہ ہوں۔ ہر ٹولی کا ایک قائد مقرر کیا جاتا تھا۔سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی ایک ٹولی کا قائد مقرر کیا گیا جس میں چھ مرد، دو عورتیں اور تین بچے تھے۔رسول خدا ﷺ نے خود ایک بچے کو اٹھایا اور ایک میل تک اس ٹولی کے ساتھ مکے سے باہر آئے۔اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کر کے واپس لوٹ آئے۔مدینہ مکہ کے شمال میں تین سو میل (ساڑھے چار سو کلومیٹر) کے فاصلے پر تھا اونٹوں پر سفر کریں تو دس بارہ دن لگتے ہیں۔سخت گرمی کا موسم تھا گرمی کے باعث صحرا آگ اگلتا سمندر لگتا تھا۔باد سموم کا بھی خطرہ تھا تاہم یہ سفر خیر و عافیت سے طے ہو گیا۔کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔طوفان باد سے بھی اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔پانچویں دن دور چند بدو دکھائی دیئے۔لیکن وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔تاہم کبھی کبھار بچے بیمار ہوتے رہے۔ایک ساتھی کا پاؤں زخمی تھا لیکن اس نے ظاہر نہ ہونے دیا اور اس نے کمال صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور اس طرح یہ گروہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدینہ منورہ میں پہنچ گیا اور یہ مختصر سا کارواں مدینہ میں حضرت سعد بن خثیمہ انصاری کے گھر ٹھہرا۔

یہ حضرت رسول کریم ﷺ کے انتظار میں بے تاب تھے آپ ﷺ کی مفارقت ناقابل برداشت تھی۔جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسالت مآب ﷺ کی خیریت اور آپ ﷺ کی ہجرت کے بارے میں دریافت کیا جس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان ایک ایک کر کے موقع ملنے پر ہجرت کر رہے ہیں۔تاہم آنحضور ﷺ اپنے دو محبوب صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تا حال مکہ میں قیام فرما ہیں۔

ہجرت رسول ﷺ اور کمالات

رسول کریم ﷺ قاتلوں اور دشمنوں میں کھلے عام پھر رہے تھے اور جان کا خطرہ مول لے کر یکا و تنہا اہل ایمان کی ہجرت کا بندوبست کر رہے تھے۔ یہ بے خوفی یقینا اللہ کی دین کی تھی۔ آپ ﷺ کے سرپرست مطعم بن عدی کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ جب تک وہ زندہ تھے کسی کو حضور ﷺ کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس کے بعد تو کفار اور مشرکین کو کھلی چھٹی تھی۔ آپ ﷺ کو مکہ میں تنہا پا کر مشرکین کے لئے آنحضور ﷺ کو راستہ سے ہٹانے کا سنہری موقع تھا۔ سرداران قریش کے زرخیز ذہن اس سے غافل نہ تھے۔ آخر کار وہ جمع ہوئے اور ایک خطرناک جامع منصوبہ تیار کیا۔ یہ منصوبہ ابوجہل کے ابلیسی ذہن کا شاہ کار تھا۔ طے کیا گیا کہ آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ سات قبیلوں سے سات نوجوان منتخب کئے جائیں جو بیک وقت آپ ﷺ پر حملہ آور ہوں تا کہ ان کے خون کی ذمہ داری فرد واحد پر نہ آئے۔ سات قبیلوں کے آدمی اگر مل کر کسی کو قتل کر دیں تو مکہ کے قانون کے مطابق محمد ﷺ کا خون سات قبیلوں میں تقسیم ہو جائیگا اور ان سے بدلہ لینا ناممکن ہوگا۔ اس شب تاریک میں دشمن کے سات نیزے ہوا میں لہرائے ضرور لیکن اٹھے کے اٹھے رہ گئے۔ کسی کو مارنے کی نوبت نہ آئی۔ ہجرت کی تمام تیاریاں مکمل تھیں۔ آپ ﷺ لوگوں کی امانتیں ہجرت سے قبل واپس کر دینا چاہتے تھے اس لئے کہ آپ ﷺ امین تھے۔ آپ ﷺ نے تمام امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں تا کہ وہ آپ ﷺ کی روانگی کے بعد لوگوں کو واپس کر دیں۔ اگر آپ ﷺ خود واپس کرتے تو سارے مکے کو ان کے جانے کا علم ہو جاتا اور وہ آپ ﷺ کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے لیکن مکے کے امین کے لئے انہیں واپس نہ کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دیا۔ اور خود نیزے برداروں کے محاصرے سے

سورہ یٰسین تلاوت فرماتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ پھر دونوں مکہ سے کچھ فاصلے پر واقع غار ثور میں جا چھپے۔ ابو جہل کو آپ ﷺ کی ہجرت کی اطلاع ملی تو پھر سرداران قریش کا ہنگامی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں اعلان کیا گیا کہ جو شخص محمد ﷺ کو زندہ یا مردہ لے کر آئے گا اسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے اتنا بڑا انعام اور پھر کفار کی مردم آزار طبیعت کے لئے حضور اکرم ﷺ کی تلاش بڑی دلچسپ مہم تھی۔ چنانچہ بہت سے گھڑ سوار صحرا میں حضور ﷺ کا کھوج لگانے کے لئے پھیل گئے، حضرت انسان جب کبھی انسان کے شکار پر تل جاتا ہے تو بے رحمی اور خون خواری کا ایسا مظاہرہ کرتا ہے کہ جنگل کے درندوں کی درندگی بھی ہیچ نظر آتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے باپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور رسول کریم ﷺ کو غار ثور تک چھوڑنے گئے اور واپس لوٹ آئے۔ عبداللہ: رات کے وقت ہر روز غار ثور جاتے اور انہیں کھانا پہنچاتے اور شہر کی ساری خبریں بتاتے۔

ا۔ کھوجی

سو اونٹوں کا انعام کوئی معمولی انعام نہ تھا کہ چھوڑ دیا جاتا عام طور پر ہر صحرا نورد ریت پر نشان دیکھ کر صورت حال کا جائزہ لینے کی پیدائشی مہارت رکھتا ہے۔ لیکن اتفاق سے ان دنوں مکہ میں حبشہ سے ایک سیاہ فام نہایت ماہر کھوجی آیا ہوا تھا۔ اس کا بڑا شہرہ تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ہوا کو سونگھ کر اڑتے ہوئے پرندوں کی خبر دیا کرتا تھا۔ پتھروں پر قدموں کے نشان پہچان لیتا تھا۔ اس کے دوست کہتے تھے۔ کہ وہ ہوا کو دیکھ بھی سکتا ہے۔ جب سب لوگ شمال کی سمت آپ ﷺ کی تلاش میں نکل پڑے تو یہ کھوجی واحد شخص تھا جو مخالف سمت میں جنوب کی طرف گیا۔ ابوسفیان امیہ بن خلف اور ابو جہل اور ان کے ساتھی جنہوں نے اس کی خدمات حاصل کی تھیں اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے لیکن وہ ایک ہی فقرہ کہے جا رہا تھا۔ میں خود نہیں جا رہا۔ محمد ﷺ کے قدموں کے نشان ادھر لئے جا رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کی آمد و رفت کے نشانات مٹانے کے لئے یہ انتظام کر

رکھا تھا کہ آپ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ روزانہ آپ کی بھیڑوں کا ریوڑ مکہ سے غار ثور تک لے آتے اور دودھ دیکر واپس پلٹ جاتے۔ ہجرت کی شب بھی عامر بن فہیرہ بھیڑوں کا گلہ لیکر پیچھے پیچھے گئے تھے لیکن کھوجی نے بھیڑوں کے چھوٹے چھوٹے پاؤں کے نشانات میں اونٹوں کے کچھ بڑے بڑے نشان دیکھ لئے تھے۔ ابوجہل امیہ بن خلف اور دیگر کفار غار ثور کے باہر کھڑے حالات کا جائزہ لے رہے تھے اور آپس میں سرگوشیاں بھی کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے قدموں کی آہٹ سنی تو غار کے اندر سے باہر جھانک کر دیکھا اور بولے۔

"بس اب خاتمہ ہے یارسول اللہ ﷺ! باہر آٹھ دس آدمی کھڑے ہیں اور ہم صرف دو ہیں"۔

حضور اکرم ﷺ نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"غلطی نہ کرو ابوبکر! خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تم، میں اور اللہ کی ذات ہم تین ہیں"۔

۲۔ خس آشیاں اور تار عنکبوت

بیشک اللہ بڑا حکمت والا ہے اس وقت مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا اور کبوتروں کے سفید جوڑے نے غار کے دہانے پر واقع جھاڑی کی شاخ پر گھاس کے تنکوں کا گھونسلہ بنا ڈالا۔ اور انڈے دیکر ان پر بیٹھ گئے۔ حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تاریک غار کے اندر بیٹھے تھے اور خدا کی یہ پیاری ننھی مخلوق غار کے باہر مصروف کار تھی۔ ابوجہل اور امیہ آگے بڑھے اور غار کے منہ تک پہنچ گئے کبوتر اڑ گئے اور مکڑی بھی کہیں چھپ گئی۔ ان دشمنان دین نے غار کے منہ پر تنا ہوا جالا اور گھونسلہ دیکھا تو سوچ میں پڑ گئے۔ بغیر جالا توڑے کون اندر داخل ہو سکتا ہے؟ یہ جالا اور گھونسلہ۔ پرندے انسانوں کے قریب گھونسلے بنا کر بسیرا نہیں کر سکتے۔ ابوجہل نے وہیں کھڑے کھڑے کھوجی کو بے نطق سنائیں اور خفگی کی حالت میں واپس مکہ چلا گیا۔ کھوجی بھی پلٹ گیا۔ اس واقعہ کے بعد اس نے کھوج نہ لگانے کی قسم کھالی۔ راہ وفا کے مسافروں کا غار ثور میں تیسرا دن تھا۔ چوتھی شب کو عبداللہ

اپنی ہمشیرہ اسماء کے ہمراہ آئے۔ اسماء گھر سے بہت سا کھانے کا سامان ایک تھیلے میں باندھ کر لائی تھیں۔ ان کے ساتھ عامر بن فہیرہ تھے جو دو اونٹیاں لائے تھے اور راہبر عبداللہ بن اریقط بھی اپنی اونٹنی کے ساتھ موجود تھے۔ ابن اریقط کو راہبری کے لئے مقرر کیا گیا تھا اگرچہ وہ مسلمان نہ تھا مگر بے حد قابل اعتماد تھا۔ وہ صحرا کے چپے چپے سے واقف تھا۔ توشہ دان کو جب اونٹ کے کجاوے سے باندھا جانے لگا تو رسی نہیں تھی حضرت اسماء نے اپنا پٹکا پھاڑ کر دو حصے کیے ایک سے توشہ دان باندھا اور دوسرا حصہ کمر میں باندھ لیا اسی وجہ سے ذات النطاقطین (دو پٹکوں والی) مشہور ہو گئیں۔ سرور کائنات ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار سے باہر نکلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کو جو اونٹنی پیش کی اس کا نام قصویٰ تھا آپ ﷺ نے فرمایا:

میں اس اونٹنی پر سواری نہیں کروں گا جو میری نہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"یارسول اللہ یہ آپ ﷺ ہی کی ہے"۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

نہیں ابوبکر! تم نے اس کی کیا قیمت ادا کی ہے"؟

حضرت ابوبکر نے رقم بتائی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں اسے اس قیمت پر خریدتا ہوں۔

چنانچہ حضور اکرم ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسری اونٹنی پر۔ انہوں نے عامر بن فہیرہ کو اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ عبداللہ بن اریقط اپنی اونٹنی پر بیٹھ گئے۔ (ضیاء النبی بحوالہ سیرت ابن ہشام)

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ جس اونٹنی پر سوار ہوئے۔ اس کا نام الجدعاء تھا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی ایک اور اونٹنی تھی جس کا نام العقباء تھا۔ اس دوسری اونٹنی کا ذکر حدیث میں ہے۔ جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت صالح علیہ

السلام کی اونٹنی کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ قیامت کے دن اسے بھی زندہ کیا جائے گا۔ حضرت صالح علیہ السلام اس پر سوار ہوں گے۔

ایک آدمی نے عرض کیا!

یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ بھی اس روز اپنی ناقہ العضباء پر سوار ہوں گے؟ فرمایا نہیں اس ناقہ پر میری لخت جگر فاطمہ سوار ہوگی۔ میری سواری کے لئے اس روز براق پیش کیا جائے گا۔ وہاں قریب ہی سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ اور یہ شخص اس روز جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک پر سوار ہوگا۔ (بحوالہ الروض الانف ج ۲ صفحہ ۲۳۰،۲۳۱) عبد اللہ اور اسماء واپس مکہ لوٹ گئے۔ چار افراد پر مشتمل یہ قافلہ نور افشاں یکم ربیع الاول ۵۳ نبوی کو غار ثور سے روانہ ہوا اس روز آپ ﷺ کی عمر ۵۳ سال پوری ہوئی اور ۵۴ واں سال شروع ہوا۔ اس طرح بعثت کا تیرہواں سال ختم ہوا اور چودھویں سال کا آغاز ہوا۔ (بحوالہ محسن انسانیت مولف نعیم صدیقی)

غار ثور سے قبا تک

یہ مسافر مغرب کی سمت بحیرۂ احمر کی طرف جا رہے تھے۔ دو دن میں پچاس میل کا سفر طے کر کے ساحل سمندر پر پہنچے اور ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ راہ حق کے مسافر دو دن دو رات سفر کرتے رہے تھے۔ انہوں نے نہ آرام کیا تھا اور نہ سوئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک چٹان کے سائے میں جگہ صاف کر کے آپ ﷺ کو سلا دیا۔ اسی جگہ ایک چرواہا اپنی بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ آیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چرواہے سے بکری کا دودھ لے کر آپ ﷺ کو پلایا۔ (ابن کثیر جلد ۲)

اُمِ معبد

چٹان کے سائے میں دو پہر گزرانے کے بعد پھر سفر ہجرت شروع ہوا۔ چلتے چلتے یہ قافلہ ایک خیمے کے قریب سے گزرا جس کے باہر ایک باوقار خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا تعلق بنوخزاعہ سے تھا اس کا اصل نام عاتکہ بنت خلف بن معد بن ربیعہ تھا اور کنیت ام معبد، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا کہ اس کے پاس فروخت کرنے کے لئے گوشت اور کھجوریں ہیں۔ اس نے جواب دیا اگر ہمارے پاس کوئی چیز ہوتی تو ہم تمہاری میزبانی میں کبھی کوتاہی نہ کرتے۔ آپ ﷺ نے خیمے کے ایک کونے میں ایک لاغر اور نحیف بکری دیکھ کر فرمایا ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا یہ وہ بکری ہے جو کمزوری کی وجہ سے دوسرے ریوڑ کیساتھ چرنے نہیں جا سکی اور یہیں کھڑی رہ گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا اس کی کھیری میں کچھ دودھ ہے؟ اس نے عرض کیا یہ لاغر ہے دودھ کہاں۔ پھر آپ ﷺ نے ام معبد کی اجازت سے اللہ کا نام لے کر دودھ دوھنا شروع کیا تو برتن بھر گیا آپ نے پہلے ام معبد کو دودھ پلایا پھر اپنے ساتھیوں کو۔ آخر میں آپ ﷺ نے خود نوش فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ ساقی القوم آخرھم (قوم کو پلانے والا سب سے آخر میں پیتا ہے) حضور اکرم ﷺ نے پھر دودھ دوھنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ برتن پھر بھر گیا آپ ﷺ نے ام معبد کے حوالے کیا اور سفر پر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھی ام معبد کا خاوند ابو معبد اپنے لاغر بکریوں کے ریوڑ کو ہانکتا ہوا گھر آیا۔ اس نے جب دودھ کا بھرا برتن دیکھا تو حیران ہو کر پوچھنے لگا اے ام معبد یہ دودھ کی نہر کہاں سے جاری ہو گئی؟ گھر میں تو کوئی شیر دار جانور نہیں تھا۔ ام معبد نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس کے خاوند نے کہا اس شخص کا حلیہ تو بیان کرو۔ خدا کی قسم مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس کی تلاش میں قریشی مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ام معبد نے پیکر نور کی تصویر کشی بہت خوبصورت

انداز میں کی۔ابو معبد نے سرور انبیاء ﷺ کا دلکش اور دل آویز حلیہ سنا تو کہا بخدا یہ وہی شخص ہے جس کی تلاش میں قریش سرگرداں ہیں۔اگر مجھے زیارت کی سعادت نصیب ہوتی تو یقیناً حضور ﷺ کی ہمراہی کا شرف حاصل کرتا۔کچھ عرصہ بعد دونوں میاں بیوی نعمت ایمان سے مشرف ہوئے۔دونوں اپنی صحرائی خیمہ گاہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔(ضیاء النبی)

طبقات ابن سعد اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ام معبد سے روایت کی ہے۔آپ فرماتی ہیں کہ وہ بکری جسے رحمت عالیشان نے اپنے دست مبارک سے چھوا تھا اس کی کھیری سے دودھ کی ندیاں بہنے لگی تھیں وہ بکری ۱۸ ہجری تک ہمارے پاس رہی۔خشک سالی کے اس زمانہ میں بھی ہم اسے صبح و شام دوہا کرتے تھے حالانکہ علاقہ کی دوسری بکریوں میں دودھ کا قطرہ تک نہ تھا۔

سراقہ بن مالک

انعام کے لالچ میں کئی طالع آزما حضور اکرم ﷺ کی جستجو میں چار سو نکل پڑے تھے قبیلہ مدلج کا ایک ماہر شمشیر زن اور تیر افگن نوجوان بھی اس مہم پر نکل کھڑا ہوا اور آپ ﷺ کا تعاقب کرتا ہوا بالکل قریب پہنچ گیا لیکن پتھریلی زمین پر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور اس کی ٹانگیں گھٹنوں تک سنگلاخ زمین میں دھنس گئیں اور ساتھ ہی سراقہ بھی زمین پر آ گرا لیکن سنبھل کر وہ پھر اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا لیکن وہی ہوا حتیٰ کہ تین بار مسلسل اس کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر زمین میں دھنسا۔ اس پر سراقہ آنحضور ﷺ سے معافی کا خواستگار ہوا اور زاد راہ سواری کے جانوروں کی پیشکش کی لیکن آپ ﷺ نے اس کی پیشکش کو مسترد کر دیا۔ صرف اتنا فرمایا: ہمارا راز فاش نہ کرنا۔ سراقہ نے گزارش کی کہ مجھے ایک نوازش نامہ لکھ دیجئے جس میں تحریر ہو کہ حضور ﷺ نے اس مجرم کو معاف کر دیا ہے اور اس کو امان دے دی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امان نامہ لکھ کر دینے کا حکم دیا۔ آپ نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان نامہ لکھ دیا اور سوئے منزل روانہ ہو گئے۔

علامہ ابن اثیر الکامل میں لکھتے ہیں:

جب سراقہ نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا:

اے سراقہ اس وقت تیری کیا شان ہو گی جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اس نے سراپا حیرت ہو کر عرض کی کسریٰ ابن ہرمز کے کنگن؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں!" سراقہ واپس چلا گیا اس واقعہ کا کسی سے تذکرہ نہ کیا ۸ ھ میں مکہ فتح ہوا بیت اللہ شریف اصنام کی نجاستوں سے پاک کیا اہل مکہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حنین اور طائف کے معرکے سر ہوئے تو سراقہ جعرانہ کے مقام پر حضور انور ﷺ کی خدمت میں امان نامہ

دکھا کر حاضر ہوا اور دولت ایمان سے مالا مال ہوا۔ حضرت فاروق اعظم کے عہد خلافت میں ملک فارس فتح ہوا تو کسریٰ شاہ فارس کا تاج، کمر بند، کنگن و دیگر نوادرات مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ جو فاروق اعظم کی خدمت میں پیش کئے گئے تو آپ نے سراقہ کو یاد فرمایا اور اسے شاہ ایران کا تاج کنگن اور اس کا مرصع کمر بند عطا کیا گیا اور اسے حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ہاتھ بلند کرے اور ان کلمات سے خداوند قدیر کی حمد وثنا کرے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْنَ سَلَبَ هٰذَا کِسْرٰی الْمُلِکِ الَّذِیْ کَانَ
یَزْعَمُ اِنَّهٗ رَبُّ النَّاسِ وَ کَسَاهَا عَرَابِیًّا مِنْ بَنِیْ مُدْلَجٍ

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے یہ زیورات کسریٰ سے چھین لئے جو یہ گمان کرتا تھا کہ وہ لوگوں کا رب ہے اور بنو مدلج کے ایک بدو کو پہنائے"۔

سراقہ نے انہیں کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی (ضیاالنبی بحوالہ الروض الانف)

چلتے چلتے ایک قافلہ نمودار ہوا جو مکہ سے حضرت زبیر بن عوام کی قیادت میں تجارت کے لئے شام گیا ہوا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں سفید کپڑوں کا جوڑا پیش کیا۔ جو آپ ﷺ نے قبول کرلیا۔ اسی سفر میں اہل اسلام کا ایک اور تجارتی قافلہ مکہ مکرمہ واپس جاتا ہوا ملا۔ اس کے سربراہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عم زاد حضرت طلحہ بن عبید اللہ تھے۔ انہوں نے شامی کپڑے کے دو نفیس جوڑے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے ایک آپ ﷺ کے لئے اور ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے۔ آپ ﷺ نے قبول فرمائے اور آگے روانہ ہو گئے۔

بریدہ بن مصیب الاسلمی

ایک اور طالع آزما بریدہ بن مصیب الاسلمی جس کا تعلق قبیلہ بنی سلمٰی کی شاخ بنو سہم سے تھا۔ سو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں حضور اکرم ﷺ کی تلاش اور تعاقب میں تھا۔ اس کے ساتھ اس کے قبیلہ کے ستر شہسوار تھے۔ جب وہ آپ ﷺ سے متعارف ہوا تو پیکر نور کی ایک جھلک دیکھتے ہی اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور اسی وقت کلمہ طیبہ پڑھا اور اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ رات گزری اور صبح ہوئی تو بریدہ نے آپ ﷺ سے عرض کی۔ اے اللہ کے محبوب ﷺ آپ ﷺ پرچم لہراتے ہوئے مدینہ میں قدم رنجہ فرمائیے۔ انہوں نے اپنا عمامہ کھولا اور نیزے کی انی کے اوپر اسے باندھا اور پرچم لہراتے ہوئے قافلے کے آگے آگے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ رسول کریم ﷺ اپنے رفیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں سعد کے پاس آئے۔ یہ وہ شخص تھا جن کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی رضاعت کے لئے لائی گئی تھی۔ آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف مختص راستہ سے سفر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا سعد نے عرض کی۔ آپ ﷺ رکوبہ سے غامر کے راستہ سے تشریف لے جائیں لیکن وہاں بنی اسلم قبیلہ کے دو چور رہتے ہیں جنہیں المہانان کہا جاتا ہے اگر آپ ﷺ چاہیں ہم ان کے پاس لے چلتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا" بے شک ہمیں ان کے پاس لے چلو"۔ سعد کہتے ہیں جب ہم روانہ ہوئے تو وہ دونوں چور راستہ میں کھڑے تھے۔ ایک نے حضور ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرے کو کہا۔ ھذا یمانی (یہ یمانی ہیں)

رسول کریم ﷺ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور ان پر اسلام پیش کیا انہوں نے بغیر کسی حیل و حجت کے اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا! تمہارے نام کیا ہیں۔ انہوں نے کا نَحْنُ اَلْمَهَانَانَ" مہان کا لغوی معنی ذلیل ہے۔ یعنی ہم ذلیل ہیں۔ آپ

ﷺ نے فرمایا فقال بل انتما المکرمان (یعنی تم اسلام لانے کے بعد ذلیل نہیں رہے بلکہ تم عزت وشرف کے مالک بن گئے ہو اور تم دونوں محترم ومکرم ہو گئے) (بحوالہ سیرت ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۶۵) حضور نے انہیں حکم دیا کہ وہ قافلے کے آگے آگے چلیں اور ہمیں مدینے تک چھوڑ آئیں۔

قبا میں آمد اور قیام

یثرب میں اہل ایمان کا بچہ بچہ حضور اکرم ﷺ کی دید کے لئے بے تاب اور بے چین تھا۔ انصار و مہاجرین شوق انتظار میں صبح سویرے گھروں سے آپ ﷺ کے استقبال کے لئے نکلتے۔ سورج ڈھلنے تک انتظار کرتے اور واپس لوٹ جاتے۔ یہ ۱۲ ربیع الاول کا مبارک دن تھا اور سفر کا بارھواں دن جب آپ ﷺ وادی عقیق میں داخل ہوئے ایک اونچے پہاڑ کو عبور کر کے جب اترائی شروع ہوئی تو مدینہ کے باغات دکھائی دینے لگے۔ سورج اس وقت نصف النہار پر تھا گرمی اور لو کی ایسی شدت کہ الامان و الحفیظ۔ اب خوابوں کی تعبیر سامنے تھی سخت حدت اور تھکاوٹ کے باوجود یہ نورانی قافلہ بغیر رکے بڑھتا گیا۔ آج بھی اہل شوق اپنے آقا کی راہ میں حسب سابق دیدہ و دل فرش راہ بنانے کے لئے مدینہ سے باہر جمع تھے۔ جب دوپہر تک ان کے مقصود و مطلوب نظر نہ آئے تو وہ مایوس ہو کر آہستہ آہستہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔ اتنے میں ایک یہودی جو اپنے کسی کام کے سلسلہ میں ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا تھا نے ایک مختصر قافلہ نور افشاں دیکھ لیا جو قبا کی طرف آ رہا تھا جھٹ اس نے بلند آواز سے نعرہ لگایا جس سے یثرب کی ساری وادیاں گونج اٹھیں اور فضا خوشی و مسرت سے چہک اٹھی اس نے چلا کر کہا۔

"اے بنی قیلہ! تمہارا بخت بیدار، دیکھو یہ تمہارے پاس آ گیا ہے۔

سب بے تاباں اور شاداں گھروں سے نکل پڑے۔ حضور اکرم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک کھجور کے سائے میں پہنچ گئے اپنی اونٹنیوں کو بٹھایا اور ان سے اتر کر کھجور کے سائے میں تشریف فرما ہو گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری عمر اس وقت ۸ سال کی تھی یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہمارے در و دیوار حضور کی طلعت زیبا کے انوار سے چمک رہے ہیں، گویا سورج

طلوع ہو گیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے ہم عمر تھے بہت کم فرق تھا۔ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ ہم میں اکثر نے حضور اکرم ﷺ کو پہلے دیکھا نہ تھا اس لئے پہچاننے میں دقت ہو رہی تھی۔ چند لمحوں میں زائرین کی بھیڑ لگ گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی پریشانی کو بھانپ لیا۔ انہوں نے اٹھ کر سرورِ کونین ﷺ پر اپنی چادر تان کر سایہ کر دیا۔ اس سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ خادم کون ہے اور مخدوم کون۔ آقا کون ہے اور غلام کون۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم یہیں آپ ﷺ نے نماز ظہر ادا کی۔ اس طرح سرزمین یثرب میں آنحضور ﷺ کی یہ اولین نماز تھی۔

(نقوش جلد ۸ صفحہ ۳۳۳ رسول نمبر)

قبا میں آپ ﷺ نے قبیلہ عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن ہدم کے گھر قیام فرمایا جب لوگ ملاقات کے لئے جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ کلثوم کے گھر سے نکل کر سعد بن خثیمہ کی حویلی میں تشریف لے جاتے۔ سعد کی بیوی بچے نہ تھے۔ اس لئے یہاں آسانی اور بے تکلفی سے زائرین سے ملاقات ہو سکتی تھی۔ اسی لئے ان کا گھر بیعت العزاب کے نام سے مشہور تھا۔ عزاب جمع ہے عزب کی اور اس کے معنی ہیں وہ مرد جس کے ساتھ اس کی بیوی نہ ہو۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ سے اسی جگہ آ ملے اور کلثوم کے گھر میں اقامت کی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قبا کی نواحی بستی السخ میں حبیب بن اساف کے گھر سکونت اختیار کی۔ (ضیاء النبی بحوالہ سیرت ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

قبا میں آنحضور ﷺ کے قیام کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔

۱۔ بعض کی رائے ہے کہ آپ ﷺ ۱۲ ربیع الاول بروز سوموار بعد دوپہر تشریف لائے اور منگل، بدھ اور جمعرات یہاں قیام فرمایا اور جمعہ کے روز چاشت کے وقت مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔

۲۔ ابن عقبہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ بائیس دن قبا میں تشریف فرما رہے۔

۳۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کے مطابق آپ ﷺ نے قبا میں چودہ دن قیام فرمایا۔

قبا میں آپ ﷺ نے اسلام کی پہلی مسجد کلثوم بن ہدم کے پیش کردہ قطعہ اراضی میں تعمیر کی جسے مسجد قبا اور مسجد تقویٰ کہا جاتا ہے۔ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''مسجد قبا میں نماز کا ثواب عمرہ کے برابر ملتا ہے''۔

قبا سے آپ ﷺ بوقت چاشت جمعہ کے روز سوئے مدینہ روانہ ہوئے۔ دن ڈھلے آپ ﷺ بنو سالم کے محلے میں پہنچے تو وہاں آپ ﷺ نے نماز جمعہ پڑھائی۔ مدینہ منورہ میں یہ پہلا جمعہ تھا۔ اس کے بعد آپ اندرون شہر کی طرف بڑھے۔ ٹھاٹھیں مارتا ہوا ہجوم آپ ﷺ کے استقبال کے لئے جمع تھا۔ مکانوں کی چھتوں پر خواتین ترانے پڑھ رہی تھیں۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ ان کے مہمان بنیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا میں وہاں ٹھہروں گا جہاں میری ناقہ ٹھہرے گی۔ چنانچہ یہ سعادت بنونجار کے رئیس ابو ایوب خالد بن زید انصاری کو حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ نے نو ماہ تک انہی کے گھر قیام فرمایا۔ قباء سے حضرت ابوایوب کے گھر تک پہنچنے کے سفر میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔

مدینہ کی آب وہوا اور یاد وطن

وطن سے ہر ایک کو پیار ہوتا ہے۔ مدینہ آ کر مہاجرین کو اکثر مکہ کی یاد ستاتی۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دل سے مکہ کی یاد باوجود شدید مظالم اور مصائب کے محو نہ ہو سکی۔ حالانکہ مدینہ طیبہ مہاجر صحابہ اکرام کو بہت محبوب تھا۔ لیکن مکہ کی یاد اکثر انہیں ستاتی۔ حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کو بھی مدینہ سے بے پایاں محبت تھی۔ آپ ﷺ جب کسی سفر سے واپس لوٹتے اور جب مدینہ کے مکانات کی دیواریں دکھائی دیتیں تو آپ سواری کو تیز کر دیتے اور یوں دعا مانگتے اس میں داخل ہوتے "اے اللہ! اس شہر کو ہمارے لئے قرارگاہ بنادے اور ہمیں خوبصورت رزق عطا فرما"۔ اکثر صحابہ کرام کو مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی اور تمام مہاجر صحابہ اکرام رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور انہیں ملیریا بخار ہو گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تینوں ایک ہی مکان میں سکونت پذیر تھے۔ تینوں کو ایک وقت بخار ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علالت جب ایک موقع پر خوفناک صورت اختیار کر گئی تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی عیادت کے لئے گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں" حضور کی یہاں (مدینہ) تشریف آوری سے پہلے یہ شہر مختلف وبائی بیماریوں کی آماجگاہ تھا۔ اس کا پانی بدمزہ اور بدبو دار تھا جس سے صحابہ کرام مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔

آپ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عامر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک ہی مکان میں تھے تو انہیں بخار آنے لگا۔ میں رسول کریم ﷺ سے اذن لیکر ان کی عیادت کے لئے ان کے پاس گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ شدید بخار میں مبتلا ہیں پہلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ میں نے پوچھا ابا جان آپ کا کیا حال ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہر آدمی اپنے اہل خانہ کے ساتھ صبح کرتا ہے اور اس کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ موت اس کے قریب ہے“۔

یہ سن کر میں نے کہا کہ والد ماجد پر غشی طاری ہوگئی۔

آپ فرماتی ہیں کہ عامر کی بھی یہی حالت تھی وہ بھی بے ہوشی میں بولے جا رہے تھے۔

آپ فرماتی ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ کا بخار جب اترتا تو وہ مکان کے صحن میں آ کر لیٹ جاتے پھر بلند آواز میں یہ شعر پڑھتے:

”کاش کبھی وہ وقت آئے کہ میں وادی میں رات بسر کروں گا اور میرے اردگرد اذخر اور جلیل کے خوشبودار گھاس ہوں گے۔

کیا کبھی ایسا ہوگا کہ میں مجنہ کے چشمے پر وارد ہوں گا؟ کیا میں ایسی جگہ اتروں گا جہاں شامہ اور طفیل کی پہاڑیاں نظر آ رہی ہوں گی؟

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سارا ماجرا بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کیا۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔

”اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لئے اس طرح محبوب بنادے جس طرح تو نے مکہ کو ہمارے لئے محبوب بنایا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کی آب وہوا کو صحت بخش بنادے اور ہمیں اس کے پیمانوں اور وزنوں میں برکت عطا فرما اور اس کی وباء کو جحفہ کی طرف منتقل کردے“۔

امام بخاری، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے۔

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک سیاہ رنگت والی عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں وہ مدینہ سے نکل کر معیبہ میں جا اتری۔ پھر فرمایا میں نے اس خواب کی یہ تاویل کی ہے کہ مدینہ کی وباء جحفہ منتقل کردی گئی“۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

اے اللہ! جو برکت تو نے مکہ کو دی اس سے دوگنی برکت مدینہ کو عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا۔ میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں اور اس کے پیمانوں اور وزنوں کے لئے برکت کی دعا کرتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے دعا فرمائی۔(ضیاء النبی)

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو مکہ کے در و دیوار سے کس قدر محبت تھی۔ آپ کو مدینہ کے خوبصورت شہر میں آکر ہر طرح سے آرام و راحت میسر تھا پھر بھی مکہ کی محبت کو اپنے دل سے نہ نکال سکے حالانکہ مکہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو بے انتہا شدائد اور عقوبتوں کا شکار ہونا پڑا تھا۔ پھر بھی آپ ﷺ کو مکہ کی گلیاں چشمے پہاڑ اور آگ اگلتا صحرا بہت یاد آتا تھا۔ یہ وہی گلیاں، وادیاں اور صحرا کی ریت اور لہو فام پہاڑ تھے یہاں آپ رضی اللہ عنہ کو بے تحاشہ گھسیٹا گیا۔ تپتی ریت پر لٹایا گیا اور پتھروں تلے دبایا گیا تھا۔ مگر اس وطن کی محبت، اس سے والہانہ پیار آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اکثر تڑپاتا اور اداس کر دیتا ہے۔ وطن سے پیار ایک فطری بات ہے پرندے سارا دن ادھر ادھر دانہ چگتے پھرتے ہیں لیکن شام ہوتے ہی اپنے بسیروں کا رخ کرتے ہیں۔

پہلا موذن

آنحضرت ﷺ اپنی ناقہ سے اترے تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا۔

"یہاں رہوں گا۔ یہیں میری مسجد ہوگی اور یہیں میں دفن ہوں گا"۔

ناقہ جس احاطہ میں بیٹھی وہ آپ ﷺ کے ننھیالی خاندان بنو بخار کے ایک شخص رافع بن عمرو کے بیٹوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھا۔ آپ ﷺ نے ناقہ سے اتر کر اس احاطے کا جائزہ لے کر مسجد کے لئے پسند فرمایا۔ یہ قطعہ زمین حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن زرارہ کے گھروں کے سامنے تھا۔ آپ ﷺ نے یہ جگہ دس مثقال میں خرید لی۔ قیمت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کر دی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس جگہ پر نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اس جگہ پر کھنڈے، جھاڑیاں اور بعض جگہوں پر کھجور کے درخت تھے۔ اور ایک جگہ پر پرانے مکان کا ملبہ تھا۔ اس جگہ پر مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ صحابہ اکرم اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ مسجد کی تعمیر میں کچی اینٹیں اور گارا استعمال ہوا۔ سرور کائنات ﷺ کی مدد کے لئے مدینے کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آپ ﷺ کی مدد کرتے۔ لیکن مدد کی بجائے کام بگڑ جاتا مگر آپ ﷺ ان کو منع نہیں کرتے تھے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کام میں خلل پڑتے دیکھا تو ان کو منع کرنے کی کوشش کی تو حضور ﷺ نے فرمایا:

"بچو دیکھو بلال بے چارہ اکیلا کام کر رہا ہے اس کے ساتھ کوئی نہیں۔ ذرا اس کی مدد کرو"۔ یہ سننا تھا کہ سارے بچے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان سے جان چھڑانی مشکل ہو گئی یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کو درخت پر چڑھنا پڑا۔ حضور اکرم ﷺ اپنا پسینہ پونچھتے جاتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حالت پر تبسم فرماتے تھے۔ مسجد تیار ہوگئی۔ یہ چھپر نما تھی۔ چھت پر کھجور کے تنے کے شہتیر اور

پتے استعمال کیئے گئے زیادہ حصہ کھلا تھا کھجور کے درخت کاٹ کر تنوں سے ستونوں کا کام لیا گیا تھا۔ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی ہر شخص مسرور تھا لوگ تھک کر مسجد کے فرش پر آرام کرنے لگے۔ مسجد کی ساخت پر تبصرے ہونے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا! ''میرے خیال میں مسجد میں ایک کمی ہے''۔

سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے چھت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔'' وہاں کچھ ہونا چاہیے۔ کچھ ایسا انتظام جس سے لوگوں کو نماز کے لئے بلایا جائے'' صحابہ کرام میں یہ مسئلہ موضوع بحث بن گیا سرور کائنات ﷺ بھی بڑی دلچسپی سے یہ بحث سنتے رہے۔ کسی نے کہا مسجد کے دروازے پر نماز کے وقت جھنڈا گاڑھ دیا جائے اور نماز کے بعد اتار لیا جائے۔ کسی کی یہ رائے تھی کہ یہود کی طرح سنکھ بجایا جایا کرے۔ کسی کی یہ تجویز تھی کہ نصاریٰ کی طرح ناقوس (گھنٹیاں) بجایا جایا کرے۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ مجوس کی طرح کسی بلند مقام پر آگ روشن کی جایا کرے۔ لیکن سرورِ کون و مکاں نے ان سب تجاویز کو اس لئے ناپسند فرمایا کیونکہ یہ سب غیر مسلموں کے طریقے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ نماز کا وقت ہو تو ایک شخص بلند آواز سے اس کا اعلان کر دے۔

آپ ﷺ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور آخر کار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ '' یا بلال قم مناد باالصلوۃ '' (اے بلال اٹھو اور لوگوں میں نماز کے وقت کا اعلان کر دو) اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ انصاری بھی تھے۔ رات کو جب وہ سوئے تو انہوں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس نے دو سبز چادریں اوڑھی ہوئی تھیں اور ہاتھ میں ناقوس پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ نے اس سے پوچھا کہ اے بندۂ خدا کیا تم یہ ناقوس بیچو گے اس نے پوچھا تم اسے لے کر کیا کرو گے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم اس کے ذریعے لوگوں کو نماز کی دعوت دیں گے۔ اس نے کہا کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ حضرت عبداللہ نے کہا بڑی نوازش ہو گی۔ اس شخص نے کہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کرو کہ آپ ﷺ لوگوں کو نماز کی دعوت اس طرح دیا کریں:

اللہ اکبر اللہ اکبر
اللہ اکبر اللہ اکبر
اشھد ان لا الہ الا اللہ
اشھد ان لا الہ الا اللہ
اشھد ان محمدا رسول اللہ
اشھد ان محمدا رسول اللہ
حی علی الصلوۃ
حی علی الصلوۃ
حی علی الفلاح
حی علی الفلاح
اللہ اکبر اللہ اکبر
لا الہ الا اللہ

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ انصاری نے یہ خواب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیان کیا۔ رسول کریم ﷺ نے یہ خواب سن کر فرمایا! یہ سچا خواب ہے انشاء اللہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی رات کو ایسا ہی خواب دیکھا تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ صبح ہو گی تو عرض خدمت کروں گا۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

"عبداللہ تم بلال رضی اللہ عنہ کو یہ الفاظ یاد کرا دو"۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے پکار کر فرمایا!

"بلال تمہاری آواز سب سے اچھی ہے اس کو اللہ کی راہ میں استعمال کرو"۔

اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا

"جاؤ چھت پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے لوگوں کو نماز کے لئے پکارو"۔

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد نبوی سے ملحق بنو نجار کی ایک خاتون کے کچے مکان

کی چھت پر چڑھ گئے اور آپ رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ اذان کی آواز جب مدینہ طیبہ کی فضا میں گونجی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی سن لی آپ سے ضبط نہ ہوسکا اور جلدی میں گھر سے اس طرح نکل پڑے کہ ان کی چادر گھسٹ رہی تھی۔ آپ سیدھے دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا!

یارسول اللہ ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کیساتھ مبعوث فرمایا میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔ جو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے دیکھا ہے۔

یہ سن کر آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا!

"سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں"۔

اسلام کی یہ پہلی اذان تھی اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام کے پہلے مؤذن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اذان سن کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے ان کے لئے یہ بہت بڑا عجوبہ تھا۔ سب شاداں اور مسرور تھے آپ ﷺ خاموش تھے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "بلال رضی اللہ عنہ تو نے میری مسجد مکمل کر دی ہے"۔

رسول کریم ﷺ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا!

"جب تم اذان پڑھو تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور جب اقامت کہو تو جلدی کہو اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانے والا کھانے سے اور پانی پینے والا پینے سے اور قضائے حاجت والا قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے"۔

اور یہ بھی فرمایا کہ اذان پڑھتے وقت شہادت کی انگلیاں کانوں میں دے لیا کرو اس سے آواز بلند ہو گی (مؤذن رسول ﷺ از علی اصغر چوہدری) آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تک مجھے حجرے سے آتا ہوا دیکھ نہ لو کھڑے مت ہوا کرو۔

اذان کا آغاز ۲ ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا تھا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بڑے خوش الحان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ جب کیف و مستی اور ترنگ سے اذان پڑھتے تو اہل مدینہ اس آواز کے طلسم سے مسحور ہو کر کام کاج چھوڑ دیتے اور اذان پر متوجہ ہو جاتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی آواز میں بلا کی دل آویزی اور پرکشش نغمگی تھی کہ ہر شخص ساکن اور ساکت ہو جاتا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سرور کائنات ﷺ کے حکم سے جب خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی تو کفار مکہ جل اٹھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں نے حارث بن ہشام سے کہا! تم دیکھ رہے ہو آج یہ غلام اوپر چڑھا ہوا ہے۔ انہوں نے حکمت عملی سے کام لیکر ان کو ٹال دیا کہ" ارے بھائی جانے دو اگر خدا کو ناپسند ہوگا تو اس کو بدل دے گا"

کہا جاتا ہے کہ آپ کی زبان میں لکنت کے سبب زبان مبارک سے "شین" کا تلفظ درست طور پر ادا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے دل کی گہرائیوں سے جب "اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ" نکلتا تو سننے والوں پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ نماز کا وقت قریب ہوتا تو رسول کریم ﷺ آپ رضی اللہ عنہ سے فرماتے۔

"قُمْ يَا بَلَالُ اَرِحْنِيْ بِالصَّلٰوةِ"۔

"(بلال اٹھو اور اذان پڑھ کر نماز شروع کرو اور میرے دل کو راحت پہنچاؤ)"

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان پڑھنے کے بعد آپ ﷺ کے حجرہ مبارک کے قریب ہو کر فرماتے" الصلوٰۃ یا رسول اللہ ﷺ" یہ سنتے ہی آپ ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لے آتے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ اذان شروع ہوتے ہی باہر تشریف لے آتے۔ ایک روز باہر آنے میں ذرا دیر ہو گئی تو اضطرار کی حالت میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے نکل گیا:

اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

"نماز نیند سے بہتر ہے"۔

آپ ﷺ یہ سنتے ہی مسجد کے صحن میں تشریف لے آئے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے منہ سے بے ساختہ نکلنے والے اس کلمہ کو آپ ﷺ نے بہت پسند فرمایا۔ اس دن کے بعد اس کلمے کو فجر کی اذان میں "حی علی الفلاح حی علی الفلاح" کے بعد بڑھانے کا

حکم صادر فرما دیا۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دینے سے پہلے اذان دینے کے انتظار میں بیٹھے رہتے اور جب اذان کا وقت ہو جاتا تو اذان شروع فرماتے۔ اذان سے پہلے شیریں آواز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَحۡمَدُکَ وَ اَسۡتَعِیۡنُکَ عَلٰی قُرَیۡشٍ اَنۡ یُّقِیۡمُوۡا دِیۡنَکَ

"اے اللہ عزوجل میں تیری حمد وثنا کرتا ہوں اور تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں۔

(اے اللہ) قریش کو اپنا دین قبول کرنے کی ہدایت فرما"۔

سرورکائنات ﷺ کا جب رحال ہوا تو آپ کو آغوش لحد کے سپرد کیا گیا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مٹی کو برابر کر کے خود اس پر پانی چھڑکا پھر غمگین اور افسردہ دل کے ساتھ دور نبوی کی آخری اذان پڑھی جب آپ نے اشھد ان محمدا رسول اللہ کے کلمات کی تکرار کی تو اصحابہ کرام اجمعین کانپ اٹھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت شدت کیفیت میں ایسے کھو گئے کہ نڈھال ہو کر گر پڑے۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ٦٨)

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں قیام کے دوران کبھی اذان نہ دی۔

وصال نبوی کے بعد مسجد قبا کے مؤذن حضرت سعد قرظی رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اذان پڑھنے سے معذرت پر آپ رضی اللہ عنہ کی اجازت سے مسجد نبوی کے مؤذن مقرر کیے گئے۔

آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ مسجد نبوی میں نابینا صحابی حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی اذان دیا کرتے تھے۔ غزوہ حنین سے واپسی پر مکہ مکرمہ کے چند بچوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر نقل اتاری۔ سرورکائنات ﷺ کو بچوں کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ ان بچوں میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کی آواز بلند اور شیریں تھی۔ آپ ﷺ نے بڑی شفقت سے انکو اذان کے الفاظ سکھائے اور فرمایا تو اہل مکہ کا مؤذن ہے۔ بعد میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ

کو مسجد حرام کا مؤذن مقرر کیا گیا۔

مشہور سیرت نگار محمد بن اسحاق بنی نجار کی ایک عورت سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میرے گھر کا صحن مسجد نبوی سے متصل تھا میں دیکھتی تھی کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہر روز طلوع فجر سے قبل دیوار پر بیٹھ جاتے اور طلوع فجر کا انتظار فرماتے۔ جب فجر طلوع ہوتی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلے یہ دعا کرتے۔

"اے اللہ میں تیری حمد وثناء کرتا ہوں اور تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں۔

اے اللہ تو قریش کو ہدایت کر کہ وہ تیرے دین کو قبول کریں۔ اور اس پر قائم ہوں"

پھر اذان شروع فرماتے۔ وہ عورت فرماتی تھیں کہ میں نہیں جانتی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک روز بھی اس دعا کو ترک کیا ہو۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سحر کی اذان تہجد کے آخر وقت دیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے مدینہ منورہ میں آج تک فجر سے قبل دو اذانیں ہوتی ہیں۔ ایک سحر کی اور دوسری نماز فجر کے لئے۔ (بخاری شریف باب الاذان فجر)

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک کڑاکے کی سردی والی رات میں صبح کی اذان دی مگر کوئی آدمی مسجد میں نہ آیا۔ میں نے دوبارہ اذان دی مگر پھر بھی کوئی نہ آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا سردی نے انہیں روک رکھا ہے آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! سردی کو توڑ دے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ صبح کے وقت گرمی کی وجہ سے دستی پنکھوں سے ہوا حاصل کر رہے ہیں۔ (نقوش)

مؤاخات

ہجرت مدینہ سے قبل سرور کائنات ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے قربت اور محبت کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اس کو اپنے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لئے رسول کریم ﷺ کا فضل و انعام تصور کرتے تھے۔ اسی لئے دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت اور پیار فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی کا خاص خیال رکھتے تھے لیکن ضیاء النبی (جلد سوم) کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دینی بھائی حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ تھے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات کرادی تھی۔

ہجرت مدینہ کے نتیجہ میں ایک ہزار مہاجرین اپنا وطن مالوف مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ جیسے نئے شہر میں آبسے تھے۔ یہ لوگ اپنے بیوی بچے اور دیگر اہل خانہ کے علاوہ اپنے گھر بار اور جائیدادیں چھوڑ کر صرف اپنے جسم کے کپڑوں کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے۔ ان لٹے پٹے بے سروسامان مہاجرین کی آبادکاری بہت بڑا مسئلہ تھا۔ مکہ ایک تجارتی شہر تھا جب کہ مدینہ منورہ ایک چھوٹا سا زرعی شہر تھا۔ دونوں شہروں کی آب و ہوا میں بھی بڑا فرق تھا۔ مہاجرین کی معاشی سماجی اور نفسیاتی بحالی بڑا پیچیدہ اور گھمبیر مسئلہ تھا جو شب و روز کا موضوع گفتگو بن چکا تھا۔ آخر اللہ کے رسول ﷺ نے یہ ساری مشکلات اپنی پیغمبرانہ فراست سے حل کردیں۔

ایک دن رسول کریم ﷺ نے مہاجرین مکہ کے تمام خاندانوں کے سربراہوں اور انصار کے متمول لوگوں کو حضرت انس بن مالک کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہ کے گھر کے

احاطے میں بلوایا۔ جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو حضور اکرم ﷺ بھی تشریف لے آئے اور حسب عادت مسکرا کر انصار سے مخاطب ہوئے اور مہاجرین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سب آپ کے دینی بھائی ہیں اور اسی دین برحق کے نام پر جو آپ کا بھی دین ہے۔ اپنا سب کچھ نثار کر کے یہاں آئے ہیں۔ ان مہاجرین کی مدد آپ، کا فرض ہے۔ آپ ﷺ نے تجویز پیش کی کہ انصار کا ہر خاندان مکے کے ہر مہاجر خاندان کو اپنے خاندان میں شامل کر لے۔ اپنے دکھ سکھ میں شریک کر کے مقدور بھر اس کا بوجھ بانٹ لے۔ یہ فیصلہ اخوت اسلامی کا عملی مظاہرہ تھا۔ جو آج تک دنیا والوں نے نہ دیکھا تھا۔ یہ کوئی جز وقتی، عارضی اور سطحی مصلحت کیشی نہ تھی۔ انصار و مہاجرین نے اس بندھن کو اپنے آقا ﷺ کے حکم پر مرتے دم تک ٹوٹنے نہ دیا۔ مواخات کا یہ نظریاتی تعلق رنگ و نسل اور خاندانی عصبیت کے تمام امتیازات اور اختلافات سے بالاتر تھا۔ یہ رشتہ اور بندھن صرف اور صرف دین برحق سے وابستگی اور رضائے رسول کریم ﷺ کی بنیاد پر قائم تھا۔

ہادی برحق ﷺ نے اس مواخاتی رشتے کی وضاحت فرمائی کہ اب تک جو ایک تھا، دو ہو گیا۔ جو دو تھے وہ چار ہو گئے۔ جہاں ایک محنت کرتا تھا وہاں دو محنت کریں گے۔ جہاں دو کماتے تھے۔ وہاں چار کمائیں گے۔ کام زیادہ ہو گا تو آمدنی بھی زیادہ ہو گی۔ کوئی کسی پر بوجھ نہ ہو گا۔ اس طرح کئی سو خاندان ایک لمحے میں گزر اوقات کے مسائل حاصل کرنے کے قابل ہو گئے۔

رسول مکرم ﷺ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کو مواخات کی تسبیح میں پرو رہے تھے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو رویحہ عبداللہ بن عبد الرحمٰن انصاری کا دینی بھائی بنایا گیا۔ دونوں میں بہت زیادہ پیار اور محبت تھی۔

دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام کی طرف کوچ کرنے لگے تو انہوں نے اپنا نام حضرت ابو رویحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ درج کرا دیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ناموں کا رجسٹر تیار کروایا اور حضرت

بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ وہ کس کے ساتھ درج کروانا چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی اور فرمایا کہ اسی دینی اخوت کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ نے میرے، اور حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے درمیان قائم فرمادی ہے میں کبھی ان سے جدا ہونا گوارا نہ کروں گا۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو ایک دوسرے سے بے پناہ محبت تھی ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کہیں جانا پڑتا تو اپنے تمام امور کی ذمہ داری حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو سونپ جاتے۔ علامہ ابن سعد سے مروی ہے کہ دور فاروقی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب جہاد میں شرکت کے لئے شام روانہ ہونے لگے تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ بلال تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟

تو انہوں نے فرمایا:

"ابورویحہ رضی اللہ عنہ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ ان کا جو رشتہ اخوت قائم کر دیا ہے وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا"۔

حضرت ام سلیم (والدہ حضرت انس بن مالک) کے گھر جمع ہونے والے انصار و مہاجرین کی تعداد ۹۰ تھی۔

اصحاب صفہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ

مہاجرین میں سے جو مجرد تھے۔ یعنی بیوی بچوں کے بغیر تھے ان کی اقامت گاہ صفہ تھی۔ مسجد نبوی کے صحن میں ایک کونے پر ایک چبوترہ تھا جس پر سائبان پڑا ہوا تھا اسے صفہ کہا جاتا تھا۔ یہاں وہ اصحابہ کرام اقامت پذیر تھے جن کے کفیل سرور کائنات ﷺ تھے۔ ان صحابہ کرام نے اپنے آپ کو تعلیم و تربیت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ یہ بزرگ صحابہ دن رات اس چبوترے پر پڑے رہتے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دن کو روزے رکھتے اور رات کو عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ نبی کریم ﷺ شام کے کھانے کے وقت انہیں بلاتے اور صحابہ میں تقسیم کر دیتے۔ حضور اکرم ﷺ کے پاس کہیں سے صدقہ کی کوئی چیز آتی تو آپ ﷺ ان کے پاس بھیج دیتے۔ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ:

”اے اصحاب صفہ تمہیں بشارت ہو۔ میری امت میں سے، جو شخص اپنے رب سے اس حال میں ملے گا جس حال میں تم ہو اور وہ اپنے اس حال پر راضی برضا ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہوگا“۔

اصحاب صفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ ان کی مجموعی تعداد چار سو تک پہنچی تھی۔ اس سے زیادہ کی گنجائش صفہ میں نہ تھی۔ اصحاب صفہ دن کو مزدوری بھی کرتے تھے بعض دن کو جنگل میں چلے جاتے تھے اور وہاں سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور بازار میں فروخت کر کے جو کچھ ملتا اس سے اپنا اور اپنے دوستوں کی ضروریات کا بندوبست کرتے تھے۔

جب کبھی کہیں مبلغ بھیجنے ہوتے تو ان ہی بزرگ صحابہ سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا گھر یہی صفہ تھا۔ آپ کا زیادہ تر وقت اسی صفہ میں گزرتا اور آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے اور آپ ﷺ کی ضروریات کا خیال رکھتے اور

احکام کی تعمیل بجالاتے تھے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح اپنا زیادہ تر وقت اپنے محبوب آقا حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں گزارنا چاہتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کو بھی آپ سے بہت محبت تھی، آپ انتہائی عبادت گزار تھے اور تجرد پسند بھی۔ آپ فضل و احسان کے دلدادہ تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ پر سراسر توکل اور بھروسہ رکھنے والے تھے۔ آپ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ تھے اس لئے آپ کو دین اسلام اور اہل ایمان سے حد درجہ محبت تھی۔

کہا جاتا ہے کہ تصوف اس بات کا نام ہے کہ انسان تمام ذرائع اور وسائل چھوڑ کر (سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرح) محض اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرے۔

(نقوش جلد نمبر ۸ رسول نمبر صفحہ نمبر ۴۶۰)

احادیث سے ثابت ہوتا ہے رسول ﷺ کو آپ کی تعلیم و تربیت کا بے حد خیال تھا اور ہمیشہ مختلف نتائج سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا " اے بلال! مومن کا سب سے بڑا بہترین عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے"۔

" اے بلال رضی اللہ عنہ ہمیشہ فقر اور غربت کی حالت میں زندگی بسر کرنا اور غربت کی حالت میں ہی جان جان آفریں کے سپرد کرنا"۔

صفہ اسلام کی اولین عظیم درس گاہ، عظیم صحابہ کی اقامت گاہ اور طالبان اسلام کا ہوسٹل جس کے نگہبان سرپرست و ناظم امور تدریس خود رسالت مآب ﷺ تھے۔ صفہ اور اہل صفہ کتنے خوش نصیب تھے اور یہاں تربیت پانے والے لوگ کتنے بلند مرتبہ تھے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ نور ایمان کی شمع روشن کرنے والے۔ اندھیروں کو ایمان کی روشنی عطا کرنے والے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ حق دکھانے والے یہ لوگ خدا کے محبوب اور جاں نثار صحابہ کی عظمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ سرور دو عالم ﷺ کے اطاعت گزار اور تربیت یافتہ صحابہ کرام کی قسمت کا ستارا اسی صفہ میں رہ کر چمکا۔ کیونکہ ان کا محبوب آقا تاجدار دو جہاں نبی محترم ﷺ ہر وقت ان پر نگاہ شفقت فرمائے رکھتے تھے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسی صفہ میں سکونت اختیار کئے رکھی اور حضور اکرم ﷺ کی

خدمت کے فرائض بجالاتے رہے۔ یہ صفہ اور صاحب صفہ کی نظر کرم کا فیضان تھا کہ سیاہ فام حبشی غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح کو سرکار دو عالم ﷺ کے خازن، پاسبان نجیب خاص اور سید المؤذنین کا بلند مرتبہ مقام ملا جو دوسروں کو نصیب نہ ہو سکا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

نِعْمَ الْمَرْءُ بَلَالٌ وَ هُوَ سَيِّدُ الْمُؤَذِّنِيْنَ

''بلال رضی اللہ عنہ کس قدر اچھا آدمی ہے وہ تمام موذنوں کا سردار ہے''۔

(نقوش جلد ۸ ص ۴۶۱)

ترمذی شریف میں تحریر ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سرکار نور مجسم ﷺ کے نجیب خاص مصاحب اور بارگاہ نبوت ﷺ کے حاجب تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو سات نجیب اور رفیق ملے ہیں اور مجھے چودہ عطا کیے گئے ہیں، ہم نے عرض کیا ''وہ کون ہیں''؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' تم (حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ) تمہارے بیٹے حسن و حسین رضی اللہ عنہ، جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما، حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ (ترمذی)

پاسبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پیکر محبت و وفا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح جناب سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوات وامن اور سفر وحضر میں ہر وقت ایک خادم، محافظ اور جاں نثار کے طور پر رہتے تھے۔ عموماً آپؓ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در دولت پر حاضر رہتے تھے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی بروقت تعمیل کی جا سکے۔ آپ رضی اللہ عنہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشق تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قربت کا ایک اور مقصد یہ بھی تھا کہ فرائض کی ذمہ داری اور ادائیگی کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دید بھی ہوتی رہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت اور مصاحبت میں قلبی راحت وسکون ملتا رہے۔ دربار نبوت میں جب بھی کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے لئے حاضر ہوتا تو پہلے پاسبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ملنا پڑتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مہمان کی آمد کی اطلاع پہنچاتے تھے۔ جہاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل خانہ سے بے پناہ محبت تھی وہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل خانہ بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بے حد شفقت فرماتے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے سلوک کرتے تھے۔ عیدین اور استسقاء کی نمازوں کے موقع پر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہاتھ میں بلم (نیزہ) لئے آگے آگے چلتے۔ یہ بلم شاہ حبشہ (نجاشی) نے دیگر تحفوں کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نیزہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عطا کر دیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تقریبات کے موقع پر اس کو لیکر نکلتے اور مصلی کے مقابل زمین پر گاڑ دیتے۔ اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ کی مہار حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہی تھام رکھی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عید کے موقع پر موجود تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا

اذان واقامت کے نماز شروع کرادی پھر جب نماز سے فارغ ہو گئے تو آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے اٹھے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے برابر کھڑا کر کے اور ان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور حمد وثناء کے بعد وعظ فرمایا اور اللہ کے احکام یاد دلائے۔ اللہ کی فرمانبرداری پر ابھارا۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ کو لئے ہوئے عورتوں کے قریب تشریف لائے۔ اور عورتوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم فرمایا اور اللہ کے احکام یاد دلائے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حاجب کے فرائض بھی سرانجام دیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب نبی محترم ﷺ سے صدقہ کے بارے میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے کاشانہ مبارک پر تشریف لا رہی تھی کہ ان کی ملاقات ایک انصاری عورت سے ہوئی وہ بھی اسی مقصد کے لئے جا رہی تھیں۔ یہ دونوں خواتین جب کاشانہ نبوت پر پہنچیں اور سوچ رہی تھیں کہ اپنا مسئلہ کس طرح حضور اکرم ﷺ سے پوچھا جائے اسی دوران حضرت بلال رضی اللہ عنہ کاشانہ مبارک سے باہر تشریف لائے تو ان دونوں خواتین نے ان سے کہا کہ ہمارا یہ مسئلہ سرورکائنات ﷺ کی خدمت میں عرض کر کے اس کے جواب سے ہمیں آگاہ کیجئے۔ آپ اندر گئے اور ان مستورات کا مسئلہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ سوال یہ تھا کہ کیا ہم اپنے شوہروں پر اور اپنی پرورش میں یتیم بچوں پر اپنے صدقے کا مال خرچ کر سکتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ خواتین کون ہیں؟ انہوں نے بتایا ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ زینب ہے۔

اور دوسری کوئی انصاریہ ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شوہروں اور رشتہ کے یتیموں پر خرچ کرنے سے دوہرا اجر ملے گا ایک اپنوں پر خرچ کرنے کا اور دوسرا خیرات کرنے کا۔ (مشکوٰۃ)

خادم رسول رضی اللہ عنہ کے شب وروز حضور اکرم ﷺ اور اہل بیت نبوی کی خدمت اور حفاظت وپاسبانی کے لئے وقف تھے اور یہ سلسلہ تادم آخر جاری رہا۔ سیدنا حضرت بلال

رضی اللہ عنہ کی آنحضرت ﷺ سے بے حد و حساب محبت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے۔ کہ جب مرض الموت میں مبتلا تھے تو آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو ان کی اہلیہ ان کے قریب بیٹھی تھیں اور زار و قطار رو رہی تھیں اور جب انہوں نے کہا" واحزنا" یعنی ہائے کیسا غم ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا" واطربا" یعنی کتنی خوشی کی بات ہے۔ جب روتے ہوئے غم کا اظہار کرتیں تو آپ رضی اللہ عنہ جوابا خوشی و مسرت کا اظہار فرماتے کہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ کل میں اپنے محبوب آقا ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے جا ملوں گا اور جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا دوسرے روز آپ کا انتقال ہو گیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا۔

"آج ہمارا سردار فوت ہو گیا"۔(اسد الغابہ جلد اول)

خازن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات

غزوہ بدر کے بعد جنگی قیدیوں اور مال غنیمت کے بارے میں قوانین کا نزول اور نفاذ عمل آیا تو اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مال غنیمت کے خمس سے نوازا۔ جس کا ایک حصہ اعلائے کلمتہ اللہ اور اقامت دین حق کے لئے وقف تھا جبکہ دوسرا جز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل و عیال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت میں نفقے کے لئے مخصوص تھا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخراجات اور مصارف کے ذمہ دار اور خازن تھے۔ جنگ کے خاتمے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ پکار کر اعلان کرتے تھے کہ جو مال کسی کے ہاتھ لگا ہے وہ یہاں لے آئے۔ آپ ایک جگہ بیٹھ جاتے اور مجاہدین اسلام سارا مال غنیمت ان کے پاس جمع کرا دیتے تھے۔ مال غنیمت سے خمس نکال کر باقی مال مجاہدین میں تقسیم کر دیتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ یعنی خمس آپ کے پاس جمع رہتا تھا۔ جس سے آپ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے اخراجات پورے کرتے اور مہمانوں پر خرچ کرتے علاوہ ازیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اگر کوئی حاجت مند آ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کی حاجت پوری کرنے کا حکم ارشاد فرما دیتے تھے اور وہ اس کی ضرورت پوری کر دیتے تھے۔ اگر مال موجود نہ ہوتا تو کسی سے قرض لے کر اس کی ضرورت پوری کر دیتے تھے۔

نقوش (رسول نمبر) جلد نمبر ۸ صفحہ ۶۰۴ پر تحریر ہے کہ عبداللہ الہوزنی کہتے ہیں کہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ملا تو ان سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخراجات کیسے چلتے تھے؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخراجات کے انتظامات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک میرے سپرد تھے۔ لیکن کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ جب کوئی مسلمان شخص آتا اور اس کے جسم پر کپڑا نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے حکم فرماتے میں قرض لے

کر کپڑے خریدتا اور اس کو کپڑے پہنا دیتا اور اس کے کھانے کا بھی انتظام کرتا۔

حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی مکرم ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ان کے پاس کھجوروں کا ڈھیر تھا۔آپ ﷺ نے پوچھا بلال یہ کیا؟ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے مہمانوں کی خاطر ذخیرہ کر رکھا ہے یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تیرے لئے یہ آگ کا ایندھن بنے۔اے بلال! اسے خرچ کر ڈال اور عرش والے مہربان رب سے بھوک کا خوف نہ کر۔ابو سعید خدری حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے بلال فقیر ہو کر مرنا نہ کہ غنی ہو کر۔میں (بلال) نے عرض کیا یہ کس طرح ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تجھے جو رزق دیا جائے۔اسے چھپا کے نہ رکھ اور جو کچھ تجھ سے مانگا جائے اسے روک کر نہ رکھ۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ایسا میرے واسطے کیسے ممکن ہوگا؟

آپ ﷺ نے فرمایا! یہ چیز ہوگی یا پھر آگ۔۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ صدقات وغیرہ بھی جمع کرتے تھے اور جب پونجی ختم ہو جاتی تو آپ کسی سے قرض لیکر کام چلاتے اور حضور اکرم ﷺ کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔پھر جب کہیں سے مال وغیرہ خمس یا تحائف آ جاتے تو وہ قرضہ واپس کر دیتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عید الفطر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی پڑھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی۔یہ سب خطبہ سے پہلے نماز پڑھا کرتے تھے۔میں اس وقت بھی گویا وہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ رسول کریم ﷺ منبر سے اترتے ہیں اور اپنے دست مبارک کے اشارے سے لوگوں کو بٹھا رہے ہیں پھر صفوں کو چیرتے ہوئے عورتوں کے گروہ تک پہنچ گئے ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ہیں۔آپ ﷺ نے عورتوں کے پاس پہنچ کر سورۃ الممتحنہ کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔جن کا

ترجمہ یہ ہے۔

''اے نبی ﷺ جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ کہ اللہ کا کوئی شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان لائیں گی۔ جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (یعنی موضع ولادت) میں اٹھائیں گی اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی۔ تم ان سے بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو بے شک اللہ مہربان ہے'' اور اس کے بعد (عورتوں کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ کیا تم اس عہد پر قائم ہو؟ اس کے جواب میں صرف ایک عورت نے جس کو اس وقت آپ ﷺ نے شناخت نہیں فرمایا تھا یہ کہا!'' ہاں یا رسول اللہ ﷺ ''ہم اس پر قائم ہیں آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا'' اگر ایسا ہے تو پھر صدقہ دو''۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کپڑا بچھا دیا اور کہنا شروع کیا'' میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، لاؤ'' عورتوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں بلا نگینہ کی بڑی انگوٹھیاں اور معمولی انگوٹھیاں ڈالنی شروع کیں۔ (مسلم)

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مشرک سے میری ملاقات ہوئی اس نے کہا میرے پاس مال موجود ہے جب ضرورت پڑے تو مجھ سے قرض لے لیا کرو۔ میں نے کہا اس سے بہتر کیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب بھی رسول رحمت ﷺ کا ارشاد ہوتا میں اس مشرک سے قرض لے لیتا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان دینے کے لئے تیاری کر رہا تھا کہ وہ مشرک، چند آدمیوں کے ہمراہ آ گیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا'' مہینہ ختم ہونے کے قریب ہے'' اس نے کہا چار دن باقی ہیں اگر مہینہ ختم ہونے تک میرا قرض واپس نہ کیا تو تجھے غلام بنا لوں گا اور تو پہلے کی طرح بکریاں چراتا پھرے گا۔ اتنا کہہ کر وہ چلا گیا لیکن مجھے اس کی ان باتوں کا بڑا صدمہ ہوا۔ دن گزر گیا تو رات کو نماز عشاء کے بعد میں رسالت مآب ﷺ کی خدمت حاضر ہوا اور سارا ماجرا بیان کر دیا۔ اور بتایا کہ اس

وقت قرض ادا کرنے کے لئے فوری انتظام نہ آپ ﷺ کے پاس ہے اور نہ ہی میں اس پوزیشن میں ہوں۔ لیکن وہ مشرک تو شور مچائیگا اور اس کی باتیں سننا پڑیں گی۔ اس لئے اگر آپ ﷺ کی اجازت ہو تو میں کہیں روپوش ہو جاؤں جب آپ ﷺ کے پاس اس کے قرض ادا کرنے کا بندوبست ہو جائیگا تو میں حاضر ہوں گا۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں یہ گزارش کر کے میں گھر لوٹ آیا۔ سفر کے ارادے سے میں نے تلوار ڈھال اور جوتا لیا اور صبح کا انتظار کرنے لگا کہ صبح کے قریب کہیں نکل جاؤں گا۔ صبح ہونے کو تھی ایک شخص نے آ کر اطلاع دی کہ سرکار ﷺ یاد فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا دیکھا چار اونٹنیاں سامان سے لدی ہوئی بیٹھی ہیں۔ رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم کو خوشخبری کی بات سناؤں؟ اللہ عزوجل نے تمہارے قرض کی ادائیگی کا انتظام فرما دیا ہے۔ فدک کے رئیس نے یہ ہدیہ مجھے بھیجا ہے۔ یہ اونٹنیاں اور سارا سامان جو ان پر لدا ہوا ہے لے جاؤ اور قرض ادا کرو" میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اونٹنیوں کو بمع سامان خوشی خوشی لے گیا اور قرض ادا کر کے واپس آیا۔ رسالت مآب ﷺ اس وقت تک مسجد میں میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ اس نے آپ ﷺ کو تمام قرض سے سبکدوش کر دیا اور اب ذرہ برابر بھی قرض باقی نہیں رہا۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا! اس سامان میں سے کچھ باقی ہے۔ میں نے عرض کیا! جی ہاں! کچھ باقی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اسے بھی تقسیم کر دو تا کہ مجھے راحت ہو۔ میں اس وقت تک گھر نہیں جاؤں گا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے۔ سارا دن گزر گیا نماز عشاء کے بعد سرور انبیاء ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ باقی مال تقسیم ہو گیا کہ یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کچھ موجود ہے ضرورت مند نہ آئے اس لئے ختم نہ ہو سکا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اس رات مسجد میں ہی قیام فرمایا اور گھر تشریف نہ لے گئے۔

دوسرے دن پھر نماز عشاء کے بعد رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس مال میں سے کچھ باقی ہے یا سب ختم ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو راحت

عطا فرمائے وہ سب ختم ہو گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء فرمائی اور گھر تشریف لے گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

میں حضور اکرم ﷺ کے فاقہ کی حالت دیکھ کر رو پڑا کرتی تھی اور اضطراب سے آپ ﷺ کے پیٹ پر ہاتھ پھیرتی جو فاقوں سے دب گیا تھا اور عرض کیا کرتی میری جان آپ ﷺ پر قربان اللہ کے لئے دنیا میں اتنا قبول فرما لیجئے جو جسمانی قوت کو قائم رکھنے کے لئے کافی ہو۔

تو آپ ﷺ فرماتے۔

"عائشہ مجھے دنیا سے کیا کام۔ میرے بھائی اولوالعزم رسول تو اس سے بھی سخت حالت پر صبر کیا کرتے تھے اور وہ اس چال پر چلے اور خدا کے سامنے گئے اور خدا نے ان کو نوازا اور پورا بدلہ دیا۔ اب اگر میں آسودگی کی زندگی بسر کرتا ہوں تو مجھے شرم آتی ہے کہ کل میں ان سے کم رہ جاؤں گا دیکھو جو چیز مجھے سب سے زیادہ پیاری ہے وہ یہی ہے کہ اپنے بھائیوں (انبیاء اکرام) سے جا ملوں"۔

نیز آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے۔

یا الٰہی میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کے لئے کھانا ملے۔ بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں اور تجھ سے مانگا کروں اور کھا کر تیری حمد وثناء بیان کروں۔ سرور دو عالم ﷺ کی تمام حیات طیبہ عسرت وتنگدستی سے عبارت ہے۔ جبکہ آپ ﷺ اسلامی مملکت کے حکمران بھی تھے خصوصاً! اس دور میں جب کہ غزوات سے بڑی مقدار میں مال غنیمت بیت المال میں آرہا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کی زندگی کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ آپ ﷺ کی جود وسخا اور بے حد وحساب داد ودہش بے مثل تھی۔ آپ ﷺ کو تحائف ہدایا اور مال غنیمت میں اونٹوں اور بکریوں کے علاوہ سونا و چاندی کی بڑی مقدار ملتی لیکن آپ ﷺ سب لوگوں میں تقسیم کر دیتے اور خالی ہاتھ گھر تشریف لاتے آپ ﷺ

کے پاس وسائل کی کمی نہ تھی آپ کی تنگدستی کی اصل وجہ بے کراں سخاوت تھی۔

نقوش رسول نمبر جلد ۸ صفحہ ۴۵۴ پر تحریر ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ایک دن ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نہ آئے (صفہ میں) تو نبی مکرم ﷺ کھڑے ہو کر اہل صفہ کو پڑھا رہے تھے۔بھوک کی شدت کی وجہ سے رسالت مآب ﷺ کی بطن مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا جو آپ ﷺ کی کمر کو سیدھا کئے ہوئے تھا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ہم ضعفاء مسلمان (اہل صفہ) کے پاس تشریف لائے اتفاق سے ایک شخص اس وقت ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا اور ہمارے لئے دعا کر رہا تھا لباس کی قلت کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کے ساتھ متصل بیٹھ کر ستر پوشی کر رہے تھے آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ حلقہ بنا کر بیٹھ جاؤ چنانچہ آپ ﷺ کے اردگرد حلقہ میں سب لوگ بیٹھ گئے۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تم کیا کر رہے تھے؟انہوں نے عرض کیا کہ یہ شخص ہمیں پڑھ کر سنا رہا تھا اور ہمارے لئے دعا کر رہا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے کام میں دوبارہ مشغول ہو جاؤ بعد میں آپ ﷺ اپنے خالق و مالک حقیقی کی اس نعمت کا شکر بجا لائے کہ اس نے آپ ﷺ کی امت میں ایک ایسا گروہ اور جماعت پیدا کر دی ہے جن کے ساتھ آپ ﷺ کو بیٹھنے کا حکم ہوا ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ نے فقراء مسلمانوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔تمہیں خوشخبری سناتا ہوں اس بات کی کہ تم روز محشر کو امراء سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہو گے۔تم لوگ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو گے جبکہ امراء کا طبقہ ابھی حساب کتاب میں پھنسا ہو گا۔ان واقعات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی معاشی حالت کیسی تھی لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ انبیاء کرام اور اصحابہ اکرام رضی اللہ عنہ کو دنیا کے مال کے حصول کی ہرگز تمنا نہ تھی اور نہ ہی مال دنیا کو اپنے پاس جمع رکھنے کی۔بلکہ گروہ انبیاء علیہ السلام اور اللہ کے دیگر اہل ایمان اور محبوب بندوں کا مقصد دنیاوی مال کی بجائے ان انعامات کا حصول ہے۔جو دوسری دنیا میں اللہ کے پاس

ہیں۔ پس یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس جو مال آتا اسے تقسیم کردیتے اور خود خالی ہاتھ گھر تشریف لاتے کیوں کہ آپ ﷺ کو اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور دنیا کا مال ان کے پاس بچا رہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی یہ تاکید فرمائی تھی کہ۔

"اے بلال رضی اللہ عنہ فقیر ہو کر مرنا نہ کہ غنی ہو کر"

خادم رسول سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک جاں نثار کی حیثیت سے ہر وقت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ رسول مکرم ﷺ کے کاشانہ مبارک اور ازواج مطہرات کی جملہ ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ ضروریات زندگی کی تمام اشیاء کا انتظام کرنا۔ بجٹ کا خیال رکھنا، قرض لینا اور اس کی ادائیگی کرنا وغیرہ آپ ﷺ کے معمولات کا حصہ تھا۔ پانچوں وقت اذان دینا، نمازوں، مجالس وعظ و بیان وغیرہ میں کسی قسم کا خلل نہ پڑنے دینا بھی آپ رضی اللہ عنہ کے روزمرہ فرائض میں شامل تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز فجر سے قبل حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دینے اور جگانے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

سیر الصحابہ جلد دوم صفحہ ۲۰۹ پر مذکور ہے کہ آپ اذان دے لیتے؛ تو لوگ جمع ہو جاتے تو آپ نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے۔

حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، الصلوٰۃ یا رسول اللہ

یعنی یا رسول اللہ ﷺ نماز تیار ہے آپ ﷺ تشریف لایئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر امامت کے نعروں سے بندگان توحید کو بارگاہ ذوالجلال و الاکرام میں سربسجود ہونے کے لئے صف بصف کھڑے کردیتی (بحوالہ طبقات ابن سعد اول جز ثالث صفحہ ۱۷۶) معمولات حضرت بلال رضی اللہ عنہ میں یہ بھی شامل تھا کہ جب بھی کبھی غزوہ کا موقع آتا تو آپ ہی حضور اکرم ﷺ کے حکم سے مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں اعلان جہاد فرماتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس اعلان کو سماعت فرماتے

ہی فوراً مناسب تیاری شروع کر دیتے۔ آنحضرت ﷺ کی سواری مبارک اور سامان حرب وضرب کی آراستگی بھی ہر موقع پر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی فرماتے تھے۔ نماز کے آغاز میں تکبیر اقامت کہنا بھی آپ کے معمولات میں سے تھا۔ اقامت پڑھتے وقت آپ حضور اکرم ﷺ کے عقب میں پہلی صف میں کھڑے ہوتے۔ ایک دن آپ نے معمول کے مطابق اذان کہی اور کسی کام کے لئے باہر چلے گئے واپسی پر نماز فجر کا وقت ہو چلا تھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان کے قریب پہنچے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی پیس رہی تھیں۔ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حکم ہو تو میں چکی پیس دوں اور آپ شہزادہ حسین رضی اللہ عنہ کو بہلائیں۔ اس طرح کچھ دیر وہاں رکنا پڑا مسجد میں پہنچے تو اقامت ہو چکی تھی جب حضور اکرم ﷺ کو تاخیر کی وجہ بتائی گئی تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مکہ میں گود میں کھلایا تھا اور مدینہ میں بھی گھر کا کام کاج کر دیا کرتے تھے۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی تو آپ زار وقطار روئے اور فرمایا کہ ”خاتون جنت آپ کو خدمت رسالت مآب ﷺ میں پہنچنے کی کس قدر جلدی تھی کہ صرف چھ ماہ بعد بابا جان سے جا ملیں“ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپ جمعہ کے روز غسل کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ صاف ستھرے اجلے کپڑے پہن کر مسجد نبوی میں سب سے پہلے پہنچتے اور درود وسلام پڑھتے۔ جب نمازی جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ تشریف لاتے اور بلند آواز سے اسلام و علیکم فرما کر منبر پر جلوہ افروز ہوتے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے بالکل روبرو کھڑے ہو کر اذان دیتے خطبہ ثانی کے بعد اقامت پڑھنے کا شرف حاصل کرتے پھر نماز شروع ہوتی۔ ماہ صیام میں افطار کے وقت حضور اکرم ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے۔

”بلال رضی اللہ عنہ! لاؤ ہمارا شربت افطار کا وقت ہوا چاہتا ہے“۔

آپ رضی اللہ عنہ شربت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے اور صحابہ اکرم رضی اللہ عنہ کو بھی اطلاع کرتے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے روزہ افطار کرلیا ہے۔ رمضان المبارک کی ایک سحری کا واقعہ ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ سحری تناول فرما رہے تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے خیال میں وقت ختم ہو چکا تھا۔

عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! سحری ختم ہو چکی ہے۔

حضور ﷺ نے سنا لیکن کھانے سے دست مبارک نہ روکا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا۔ خدا کی قسم سحری کا وقت آخر ہولیا۔ یوں ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تو حضور انور ﷺ نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا سرور کائنات ﷺ نے بعد میں کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے انداز ے کے مطابق سحری کے اختتام کا اعلان کر رہے تھے لیکن ہماری نظر اس وقت آفتاب کے اس مرکز پر تھی جہاں سحری کے خاتمے میں چند منٹ باقی تھے۔ لیکن جیسے ہی بلال رضی اللہ عنہ۔ نے قسم کھائی اللہ تعالی نے ان کی قسم کو سچا کرنے کی خاطر آفتاب کو حرکت دے کر اس خط تک پہنچا دیا جہاں سحری کا وقت واقعی ختم ہوتا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور غزوہ بدر

قریش کے شدید مظالم سے تنگ آ کر حبیب کبریا ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھر بار جائیدادیں اور املاک کو چھوڑ کر مدینہ جا بسے تھے۔ جہاں وہ خوشگوار ماحول میں آزادی سے زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ کفار مکہ کی ابلیسی فطرت کو ہرگز ہرگز یہ گوارہ نہ تھا۔ کہ مسلمان مکہ سے تین سو میل دور مدینہ میں رہ کر پرسکون زندگی بسر کریں۔ وہ غیض وغضب کی آگ میں جل رہے تھے اور پیچ وتاب کھا رہے تھے۔ انہوں نے مدینہ کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو دھمکی لکھ بھیجی کہ تم نے ہمارے باغیوں کو مدینہ میں پناہ دے رکھی ہے ان کو وہاں سے نکال دو ورنہ ہم تم پر حملہ کر دیں گے تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔

کفار مکہ اور اہل ایمان کے درمیان سرد جنگ کا راستہ ہموار ہو رہا تھا اور سرداران قریش مسلمانوں سے مسلح تصادم کے بہانے تلاش کرنے میں مصروف تھے۔ حضرت سعد بن معاذ خزرجی اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سابقہ آقا امیہ بن خلف کے درمیان زمانہ جاہلیت سے دوستانہ مراسم تھے۔ امیہ جب مدینے آتا تو اس کا قیام حضرت سعد بن معاذ کے گھر ہوتا۔ اور جب کبھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لے گئے اور آپ رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے گھر ٹھہرتے تھے۔ اسی دوستی اور ناطے سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرے کے ارادے سے مکہ تشریف لے گئے۔ اور آپ نے امیہ بن خلف کے گھر قیام فرمایا: آپ رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف سے فرمایا کہ مجھے ایسے اوقات میں طواف کرادو جب حرم خالی ہو۔ چنانچہ دوپہر کے وقت امیہ بن خلف ان کو طواف کے لئے لے گیا۔ وہاں عین حرم کے دروازے پر ابوجہل نے ان کو ٹوک کر کہا۔

”تم ہمارے دین کے مرتدوں کو پناہ دو اور ان کی مدد کرو، اعانت کا دم بھرو اور ہم تمہیں

اطمینان سے مکہ میں طواف کرنے دیں، بخدا اگر تم امیہ بن خلف کے ہمراہ نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہ جا سکتے"۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

"بخدا اگر تم نے مجھے اس چیز سے روکا تو میں تمہیں اس چیز سے روک دوں گا جو تمہارے لئے اس سے شدید تر ہے۔ یعنی ہم تمہارے تجارتی قافلے مدینہ کے قریب سے نہیں گزرنے دیں گے"۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کو سخت جواب دیا تو امیہ نے ان سے کہا:

"اس (ابو جہل) سے سخت کلامی نہ کرو یہ اس وادی کے لوگوں کا رئیس ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا چھوڑو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمان تمہیں قتل کر دیں گے"۔

امیہ نے جب یہ سنا تو بہت پریشان ہوا اس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

"کیا یہ لوگ مجھے مکہ میں قتل کر دیں گے"۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

"مجھے نہیں معلوم"۔

امیہ بن خلف نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اپنی بیوی کو سنایا تو اس نے کہا: "خدا کی قسم محمد ﷺ جھوٹ نہیں بولتے"؟

اس واقعہ کے بعد کفار مکہ کی مسلمانوں کے خلاف سرگرمیاں تیزی سے جاری رہیں۔ کفار مکہ نے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے ان ہی کی جائیدادیں ضبط کر کے اس کاروان عظیم کی دولت میں اضافہ کیا جو شام کی طرف عازم سفر تھا یہ قافلہ غصب شدہ مال کی کمائی اونٹوں پر لاد کر مدینہ کے مغرب سے ستر میل کے فاصلے سے گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات کو وحی کے ذریعے خبر کر دی کہ وہ اللہ کی راہ میں نکلیں گے تو قریش کے دو قافلوں میں سے ایک ضرور آپ کے ہاتھ لگے گا۔ کفار مکہ سے جہاد کے احکامات پہلے ہی نازل ہو چکے

تھے جیسا کہ سورۃ البقرہ میں صاف صاف حکم ہے۔

''اللہ کی راہ میں جنگ کروان کے خلاف جو تم سے جنگ کرتے ہیں جنہوں نے تمہیں بے گھر کیا لڑو مگر خود جنگ نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ جنگ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور پھر جب تمہارا دشمن جنگ روک دے تو تم بھی جنگ روک دو''۔ آخر جنگ کا فیصلہ ہو ہی گیا۔ اس تجارتی قافلے کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے کفار مکہ کا ایک ہزار پر مشتمل لشکر ابوسفیان کی مدد کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ ادھر سرور دو عالم ﷺ بھی تین سو تیرہ جاں نثاروں کے قافلے کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے اسلام کے دفاع کی خاطر نکل پڑے۔ یہ جنگ خالصتاً دفاعی تھی، ہوائے نفس کے لئے نہیں صرف اور صرف اصولوں کے لئے لڑی جانے والی جنگ دونوں فوجیں بدر کے مقام پر ایک دوسرے کے سامنے مد مقابل خیمہ میں تھیں۔ اہل ایمان صرف تین سو تیرہ تھے ان میں ۸۶ مہاجر تھے خزرج کے ایک سو ستر اور اوس کے اکسٹھ آدمی تھے ان کے پاس ستر اونٹ دو گھوڑے سات زر ہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ جبکہ مخالف لڑنے والی فوج کی تعداد ایک ہزار آدمی تھے۔ انکے پاس 750 اونٹ ایک سو گھوڑے وافر اسلحہ اور زرہ بکتر اور سر پر فولادی خود تھے۔ مسلمانوں نے اپنے جسم پر درختوں کی چھالیں باندھ کر ڈھالوں کا کام لیا تاہم وہ مدینہ سے تعلیم و تنظیم کے ساتھ چلے تھے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر سے قبل شمشیر زنی کی ٹریننگ دی تھی لیکن آپ ماہر حرب و ضرب ثابت ہوئے چنانچہ آنحضور ﷺ نے سپاہ اسلام کے راشن کا انتظام سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگا دیا۔ جسے آپ نے بطریقہ احسن سرانجام دیا۔ آپ نے سپاہ اسلام کے لئے خوراک جمع کرنے کے لئے تمام ممکن حربے استعمال کئے۔ کسی سے مانگا، کسی سے خریدا اور کسی سے قرض لیا۔ آپ نے تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ آپ میدان جنگ اور عریشہ رسول ﷺ کے مابین پیغام رسانی کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ آپ ہی اہم اعلانات کے نقیب تھے۔ غزوہ بدر میں قواعد جنگ کا اعلان آپ ہی نے فرمایا۔ بچوں کے بارے میں آنحضور ﷺ

نے دو مرتبہ اعلان کرنے کا حکم سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیا۔ میدان بدر میں نماز کے وقت سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔

۱۶ رمضان المبارک ۲ ھ کی شام فخر موجودات ﷺ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا جنگ سے متعلق ضروری ہدایات دیں اور آپ ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو اس سے پہلے کبھی میں نے اتنا خاموش اور آپ ہی آپ میں اتنا گم نہیں دیکھا تھا۔ اسی شب محبوب خدا ﷺ بارگاہ ایزدی میں مسلمانوں کی فتح کے لئے سر بسجود رہے۔

دوسرے دن ۱۷ رمضان المبارک کو صبح ہوتے ہی فوجوں کی تنظیم و تربیت شروع ہو گئی۔ جب انتظامات مکمل ہو گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر سپاہ اسلام کو نبی محترم ﷺ کی ہدایات سے بلند آواز میں مطلع کیا۔ پھر جنگ ہوئی یہ اسلام کی پہلی جنگ تھی تلواریں ٹکرائیں، صحرا کی ریت پر گرم گرم خون گرا، آسمان نے لاشے زمین پر گرتے اور تڑپتے دیکھے، سارا دن معرکہ جاری رہا اور آخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی حق جیت گیا اور باطل ذلیل ہوا۔ اس جنگ میں اس امت کا ابلیس ابوجہل (عمرو بن ہشام) دو کمسن مجاہدین معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما (فرزندان عفرا) کے ہاتھوں مارا گیا۔ جنگ ختم ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو اس امت کے فرعون کی نعش تلاش کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرور کائنات ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ابوجہل کی تلاش میں نکلے تو انہوں نے اسے ایک جگہ گرا ہوا پایا وہ جان بلب تھا اس کا سارا جسم فولادی زرہ میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنی تلوار رانوں پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ بے حس و حرکت زمین پر پڑا تھا۔ جان کنی حالت میں بھی اس کی نحوت کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کی گردن کاٹنے کے لئے اس کی چھاتی پر چڑھ گئے تو وہ بولا:

"اے بکریوں کے حقیر چرواہے تو نے دشوار زینے پر قدم رکھا ہے"۔ (بحوالہ سیرت ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۵۵) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے اس کے

سر پر ضربیں لگانی شروع کر دیں انہیں یاد آ گیا کہ وہ کبھی ان کے بالوں کو کھینچا کرتا تھا۔ تلوار پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اس نے جان کنی کی حالت میں سر اٹھایا اور پوچھا فتح کس کو ہوئی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا اللہ کا شکر ہے جس نے اے اللہ کے دشمن تجھے ذلیل کیا۔ میں نے اس کا خود اتار تلوار کا وار کیا تو گردن کٹ کر سامنے جا گری۔ پھر میں نے اس کے ہتھیار زرہ اور لباس وغیرہ اتار لیا اور اس کا سر اٹھا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کی! یارسول اللہ ﷺ اللہ کے دشمن ابوجہل کا یہ سر ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا'' اللہ کا شکر ہے جس نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت عطا فرمائی'' پھر آپ ﷺ سر بسجود ہو گئے اور فرمایا ہر امت میں ایک فرعون ہوا ہے امت مسلم کا فرعون ابوجہل تھا۔ امت کا فرعون ابوجہل جب مرنے لگا اس وقت بھی اس کی اسلام دشمنی اور سرکشی میں کمی نہیں آئی بلکہ اضافہ ہوا علامہ ابن کثیر نے منظر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے ٹانگیں کٹ گئی ہیں سارا جسم زخموں سے چور چور ہے۔ سفر آخرت درپیش ہے حیات مستعار کے چند لمحے باقی ہیں۔ بایں ہمہ اسلام اور بانی اسلام کی دشمنی کا لاوا پھوٹ پھوٹ کر ابل رہا ہے۔ اس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر نگاہ واپسیں ڈالیں اور کہا، اپنے نبی کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ میں عمر بھر اس کا دشمن رہا ہوں اور اس وقت بھی میرا جذبہ عداوت بہت شدید ہے۔ (ضیاء النبی بحوالہ سبل الہدیٰ) آغاز جنگ سے پہلے جب دونوں طرف سے صف بندی ہوئی اور ابوجہل اس منظر کو کھڑا دیکھ رہا تھا۔

تو ابوالبختری نے ابوجہل سے پوچھا اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

ابوجہل نے جواب دیا!

'' بخدا یہ شخص ﷺ جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے؟

اس نے پوچھا تو پھر اس سے کیوں لڑتا ہے؟

ابوجہل بولا! خدا کی قسم! عمر بن ہشام (ابوجہل) کا گھٹنا بلال رضی اللہ عنہ کے گھٹنے سے چھو نہیں سکتا میں مرتے دم تک لڑوں گا۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سابق آقا امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں گرفتار ہوا۔
یہ بڑا بزدل آدمی تھا وہ جنگ کے نام سے خوفزدہ ہو جاتا تھا اس نے جنگ بدر میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ایک دن وہ حرم میں اپنی قوم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ابو جہل کے کہنے پر عقبہ بن معیط اس کے پاس کانگڑی لئے ہوئے آیا جس میں کچھ انگارے تھے اس نے اس پر بخور ڈالا ہوا تھا۔ اس نے امیہ کے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہا محترمہ آپ دھونی لیں آپ مرد نہیں عورت ہیں۔ امیہ نے اسے گالیاں سنائیں پھر ابو جہل خود آ گیا اور کہا اے ابوسفیان!
تم اس علاقے کے سردار ہو جب لوگ دیکھیں گے کہ تم جنگ میں شرکت نہیں کر رہے تو وہ بھی باز رہیں گے اور اس سے برا اثر پڑیگا۔ آپ ایسا کریں کہ یہاں سے روانہ ہوں اور دو تین دن کے بعد بیشک واپس آ جانا۔ امیہ کے خوفزدہ ہونے کی وجہ وہ دھمکی تھی جو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے دی تھی۔ چنانچہ وہ ابو جہل کے کہنے پر مجبوراً جنگ میں شمولیت پر آمادہ ہو گیا وہ گھر آیا تو اپنی بیوی سے کہا میرا سامان جنگ تیار کرو اس نے پوچھا کیا تم نے اپنے یثربی بھائی (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) کی بات کو فراموش کر دیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ بس لوگوں کو دکھانے کے لئے تھوڑی دور لشکر کے ساتھ جاؤں گا پھر لوٹ آؤں گا۔

امام بخاری اور امام محمد بن اسحاق حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور امیہ دوست تھے میرا پہلا نام عبد عمرو تھا۔ اسلام لانے کے بعد عبدالرحمٰن رکھ لیا۔ امیہ جب مجھے ملتا تو از راہ طعن کہتا کہ اے عبد عمرو تم نے اپنا نام ترک کر دیا ہے جو تیرے باپ نے رکھا تھا میں کہتا بیشک، میں نے کہا میں تمہیں عبدالرحمٰن کے نام سے نہیں پکاروں گا بلکہ عبدالالہ کہوں گا کیونکہ پہلا نام تو تو نے ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ ہم باہمی مشورہ سے اس نام پر متفق ہو گئے۔ اس کے بعد وہ جب کبھی میرے پاس سے گزرتا تو عبدالالہ کہہ کر بلاتا میں اس کا جواب دیتا۔ جنگ بدر میں ہم دونوں اکٹھے ہوئے تو میں نے خیال کیا اسے جنگ میں شرکت نہ کرنے کو کہوں جنگ کے بعد میں نے دیکھا امیہ اپنے بیٹے علی کا ہاتھ تھامے چلا

آ رہا ہے۔ میرے پاس چند زرہیں تھیں جو میں ۔نے اپنے مقتولوں سے اتاری تھیں۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی پہلے نام سے پکارا عبد عمرو؟ میں نے جواب نہیں دیا پھر اس نے مجھے عبدالالہ کہہ کر پکارا۔ میں نے'' ہاں'' سے جواب دیا پھر اس نے مجھے کہا کیا تجھے میری سلامتی کی ضرورت ہے تو پھر ان زرھوں کو پھینکوں اور مجھے بچانے کی فکر کرو میری جان ان زرھوں سے زیادہ قیمتی ہے میں نے زرہیں پھینک دیں۔ پھر اس کا اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا اور انکو لے کر چلا۔ راستے میں اس کے بیٹے علی نے پوچھا اے عبدالالہ! یہ کون شخص ہے جس کے سینے پر شتر مرغ کا پر بطور علامت سجا ہوا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ حمزہ بن عبد المطلب ہے۔ وہ بولا یہی وہ شخص ہے جس نے ہم پر بجلیاں گرائی ہیں۔ میں انہیں لے کر جا رہا تھا۔ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اچانک اسے میرے ساتھ دیکھ لیا۔ یہ وہی امیہ تھا۔ جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کے جرم میں سخت اذیتیں دیا کرتا تھا۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی بلند آواز سے پکارا!

یہ ہے کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف۔ اگر آج وہ بچ کر نکل گیا تو پھر میرا بچنا محال ہے۔ آپ نے گروہ انصار کو مدد کے لئے پکارا چند نوجوان انصاری لپک کر ان کے پاس آ گئے اور ہمارے تعاقب میں نکلے جب میں نے دیکھا کہ وہ ابھی ہمیں آ لیں گے تو میں نے امیہ کے بیٹے کو ان کے حوالے کر دیا تا کہ وہ ان کے ساتھ الجھ کر مشغول ہو جائیں اور اتنے میں امیہ کو میں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں گا۔ امیہ لحیم و شحیم تھا وہ تیزی سے نہیں چل سکتا تھا۔ میں نے اسے کہا بیٹھ جاؤ اور میں اس پر سپر بن کر لیٹ گیا۔ تا کہ اسے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی تلوار کے وار سے بچا سکوں۔ یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا وہ اس پر جھپٹ رہے تھے اور میں اس کا بچاؤ کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں کسی نے اس کے بیٹے علی کی ٹانگ کاٹ دی اور وہ دھڑام سے زمین پر گرا۔ امیہ نے یہ منظر دیکھ کر ایسی دردناک چیخ ماری کہ لوگوں کے دل دہل گئے میں نے ایسی دل دوز چیخ پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ میں نے امیہ کو کہا اس کو چھوڑو اب اپنی جان بچاؤ میں اب تمہاری کوئی

مدد نہیں کرسکتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے اس کے پرزے اڑا دیئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بعد میں کہا کرتے تھے۔

"اللہ بلال رضی اللہ عنہ پر رحم کرے میری زرہیں بھی چلی گئیں اور میرے دو قیدیوں کو قتل کر کے مجھے ان کے زرفدیہ سے بھی محروم کردیا"۔

اور حبشی بلال رضی اللہ عنہ جو دولت ایمان سے مشرف ہونے سے پہلے بنی جمح کی ایک مشرک عورت کا زرخرید غلام تھا۔ دن رات ان کی خدمت گزاری میں جتا رہتا تھا۔ اس نے جب تعلیمات نبوی ﷺ کو قبول کرلیا تو دعوت توحید کی شراب کا ایسا نشہ چھا گیا کہ کیف و مستی میں اس کی زبان سے احد احد ہی نکلتا تھا۔

کفر و شرک کے سرغنے ابوجہل اور امیہ بن خلف اسے طرح طرح کی سزائیں دیا کرتے تھے۔ کبھی آپ کے گلے میں رسی ڈال کر اوباشوں کو پکڑا دیتے جو انہیں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے اور جب آپ کا سر کسی پتھر سے ٹکراتا تو قہقہے لگا کر ہنستے اور غشی کی حالت میں بھی بلال رضی اللہ عنہ کے منہ سے احد احد کی آواز نکلتی۔

آج وہ بلال رضی اللہ عنہ سیاہ، فام، حبشی، غلام کمزور اور بے نوا بلال رضی اللہ عنہ قوت ایمان اور ساتھیوں کے تعاون سے اتنا طاقتور ہو کر میدان بدر میں ابھرا کہ آج مکہ کے ایک رئیس اعظم اور اس کے نوجوان بیٹے پر ان کی تلوار ایسی اٹھی کہ ان کا خون چاٹ گئی اور کوئی ان کو اس سے نہ چھڑا سکا۔ اس روح پرور منظر کی عملی تصویر کشی۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں اس طرح کی ہے۔

"اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا۔ ملک (مصر) میں بنادیں انہیں پیشوا اور بنادیں (فرعون کے تاج و تخت کا) وارث اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے"۔ (القصص ۵۔۶)

اسد الغابہ میں امام ابی الحسن علی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ امیہ بن خلف حضرت بلال رضی

اللہ عنہ کو تکلیف دیتا تھا اور پے در پے انہیں عذاب دیا کرتا تھا۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسا کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ ہی نے بدر میں اسے قتل کر دیا۔ (بحوالہ ضیاء النبی جلد ۲ صفحہ ۳۴۴)

ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی نے" عاشق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے۔ کہ ابن خلف کو اپنے قتل ہونے کا خوف پریشان کر رہا تھا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لئے پہاڑ کی طرف بھاگا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا اور پکار کر فرمایا!

انصار وہ دیکھو دشمن خدا بھاگا جا رہا ہے۔ انصار اس کی طرف دوڑ کر گئے اور اسے گرفتار کر کے لائے اور امیہ گرفتار ہونے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ امیہ بن خلف قتل ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دی۔

مبارک ہو بلال رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و برکت سے نوازے تم نے دشمن خدا (امیہ بن خلف) سے انتقام لے لیا (بحوالہ اسعاب) واقدی نے لکھا ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں حضور اکرم ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ امیہ بن خلف اور اس کا بیٹا علی جنگ کے اختتام پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی معیت میں چلے آ رہے تھے۔ امیہ اور عبدالرحمٰن باہم دوست رہے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت آٹا گوندھ رہے تھے جب ان کی نظر ان دونوں پر پڑی آپ رضی اللہ عنہ نے آٹا گوندھنا چھوڑ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو امیہ کی اسلام دشمنی یاد آ گئی اور وہ پکارنے لگے۔

"اے گروہ انصار! امیہ سرغنہ اہل کفر ہے اگر یہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا یہ سن کر مسلمان تیزی سے امیہ کی طرف دوڑے۔ حضرت خبیب بن سیاف رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر امیہ کا مقابلہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت دفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے سخت مقابلے کے بعد امیہ کو قتل کر دیا۔ ایک تیسری روایت میں ہے کہ حضرت معمر بن خبیب نے امیہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اس کے بیٹے علی کو قتل کر دیا۔ مستند کتب تاریخ کے مطابق سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ہی امیہ بن خلف کو واقعہ بدر کے دن قتل کیا۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ غزوہ بدر کا قابل ستائش پہلو یہ ہے کہ تمام رشتوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت

غالب آ گئی اور اہل ایمان ۔نے اس معرکہ کارزار میں خاندان، قبائل، رنگ ونسل، برادری اور قومیت کے بت اسلام کی محبت کے مقابلے میں توڑ ڈالے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ عبداللہ بن الجراح کو قتل کیا۔

حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے عبید بن عمر کو ہلاک کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حقیقی ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث نے عتبہ شیبہ اور ولید کو قتل کیا ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے میرے والد محترم غزوہ بدر میں آپ کئی مرتبہ میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے چھوڑ دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! بیٹا اگر تم میری تلوار کی زد میں آ جاتے تو میں کبھی نہ چھوڑتا۔

غزوہ بدر سے متعلق ایک اور ایمان افروز واقعہ اس طرح ہے کہ ابوعزیز حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا حقیقی بھائی تھا ان کا بیان ہے کہ بدر کے روز کعب نامی ایک انصاری میرے بازو باندھ رہا تھا کہ میرے سگے بھائی مصعب بن عمیر میرے قریب سے گزرے انہوں نے میری سفارش کی بجائے اس انصاری کو کہا کہ اس کے دونوں بازوں کو خوب کس کر باندھو۔ اس کی ماں بڑی دولت مند ہے وہ تمہیں گراں قدر فدیہ دیکر اسے چھوڑائے گی۔ ابوعزیز بن عمیر کہتے ہیں کہ میں نے کہا! تم بھائی ہو کر یہ بات کہتے ہو؟

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"تم اس وقت میرے بھائی نہیں ہو بلکہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے"۔

(ضیاء النبی جلد ۳ صفحہ ۳۸۴)

سیدۃ النساء کا عقد اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی خدمات

۲ھ کو سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد سیدنا حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ سیدہ بلوغ کو پہنچیں تو خاندان قریش کے متعدد سرداروں نے جو مال و دولت، اثر و رسوخ اور اپنی اسلامی خدمات کے باعث عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کے رشتہ کے لئے بارگاہ نبوی میں درخواست کی لیکن حضور ﷺ نے سب کو یہی جواب دیا جیسا اللہ چاہے گا۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی دلی آرزو تھی کہ وہ سعادت عظمٰی سے بہرہ ور ہوں۔ لیکن انہیں اپنی تہی دامانی نظر آتی تو پھر عرض مدعا کی جرأت نہ ہوتی۔ بڑی پس و پیش کے بعد آپ نے حرف مدعا عرض کرنے کا عزم مصمم کر ہی لیا۔ ایک روز لجاتے اور شرماتے ہوئے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور سراپا ادب بن کر بیٹھ گئے لیکن ہمت نے ساتھ نہ دیا زبان گنگ ہوگئی۔ یارائے تکلم نہ رہا۔ آخر آپ ﷺ نے مہر سکوت توڑا اور فرمایا:

''علی کیسے آئے کیا کوئی کام ہے؟''

آپ پھر بھی نہ بول سکے نبی محترم ﷺ نے خود ہی اشارہ فرمایا:

''کیا فاطمہ کے رشتہ کے لئے آئے ہو؟''

عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ!

آپ ﷺ نے پوچھا تمہارے پاس حق مہر ادا کرنے کے لئے کوئی چیز ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ!

بخدا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا وہ زرہ جو میں نے تمہیں پہنائی تھی وہ کدھر گئی؟ عرض کی وہ تو میرے پاس ہے۔ رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا میں زرہ کے عوض اپنی بچی کا

نکاح تمہیں کر دیتا ہوں۔ یہ مژدہ جاں فزا سن کر آپ باہر نکلے۔ آپ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ کا رشتہ مجھے دے دیا ہے۔ یہ دونوں حضرات بھی بڑے مسرور ہوئے اور دونوں مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ انصار و مہاجرین کو جمع کیا گیا اور نبی مکرم ﷺ نے دونوں کا عقد فرمایا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اب جاؤ اور زرہ بیچ کر اس کی رقم میرے پاس لاؤ۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے وہ زرہ چار سو درھم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فروخت کر دی۔ جب میں نے زرہ ان کے حوالے کی اور میں نے روپے ان سے لے لئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ اس زرہ کی قیمت میں نے آپ کو ادا کر دی ہے۔ اب میری طرف سے زرہ بطور تحفہ آپ قبول فرمایئے۔ میں نے زرہ بھی لے لی اور روپے بھی اور انہیں لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور دونوں چیزیں میں نے حضور اکرم ﷺ کے قدموں میں ڈال دیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو سلوک میرے ساتھ کیا تھا۔ وہ بھی عرض کیا۔ سرور دو عالم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے خیر فرمائی پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جاؤ اور میری بیٹی کے لئے ضروری چیزیں خرید کر لے آؤ۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ساتھ بھیجا تا کہ وہ سامان اکٹھا کر کے لے آئیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور غزوۂ احد

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں رسول کریم ﷺ کی معیت میں شرکت فرمائی۔ جنگ سے پہلے یا جنگ کے دوران اگر کوئی اہم اعلان یا ہدایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تک پہنچانا ہوتا تو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی آپ کے نقیب کے فرائض سرانجام دیتے۔ آپ سرکار دو عالم ﷺ کے عاشق صادق تھے۔ سفر و حضر میں ہر منزل پر رحمت دو عالم کی خدمت میں حاضر رہنا آپ کا معمول تھا۔ اکثر آپ حضور اکرم ﷺ کے آگے آگے نیزے اٹھائے چلتے تھے۔ جہاں کہیں نماز کا وقت ہوتا آپ ہی کو اذان اور تکبیر کہنے کی سعادت حاصل ہوتی۔

۳ھ کو کفار مکہ بدر کا انتقام لینے کے لئے تین ہزار لشکر کے ساتھ میدان احد میں خیمہ زن ہوئے تو فخر کائنات ﷺ کو بھی کفر کے لشکر طاغوت کو دندان شکن جواب دینے کے لئے مقابلے پر آنا پڑا۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک ہزار کے لشکر کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مقام شیخین پر لشکر اسلام نے قیام فرمایا۔ جہاد میں شرکت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہی مسلمانوں میں اس کا اعلان فرمایا اور شیخین کے مقام پر آپ نے ہی اذان اور تکبیر کہی۔ اسی مقام پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تین سو ساتھیوں کے ہمراہ لشکر اسلام سے جدا ہو کر واپس لوٹ گیا۔ ہفتے کے روز مجاہدین اسلام شوط نامی بستی کے قریب سے گزرے اور خفیہ راستے سے ہوتے ہوئے احد پہنچ گئے۔ اور آپ ﷺ اپنے لشکر کے ہمراہ گھاٹی میں اترے۔ یہ مقام وادی قناۃ سے جبل احد کی اونچائی پر واقع ہے۔ جبل احد کے ساتھ ساتھ وادی قناۃ واقع ہے۔ وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر ایک ٹیلہ ہے جسے جبل عینین کہا جاتا ہے۔ یعنی دو چشموں والا کیونکہ یہاں سے دو چشمے نکلتے ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے یہاں حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی

اللہ عنہ کی قیادت میں تیراندازوں کا دستہ تعینات فرمایا تھا۔

لشکر اسلام مقام شیخین سے ہفتے کے روز سحری کے وقت روانہ ہوا تھا اور جب احد کی گھاٹی پر پہنچا تو فجر کا وقت ہو گیا تھا۔ نبی مکرم ﷺ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا تو آپ نے حسب ارشاد اذان اور اقامت کہی۔ اللہ کے محبوب بندوں نے اس کے محبوب رسول کی اقتداء میں نماز فجر با جماعت ادا فرمائی۔ آپ نے اس موقع پر تاریخ ساز خطبہ دیا جو رہتی دنیا تک اہل ایمان کے دلوں کو حرارت مہیا کرتا رہے گا۔ آخر تین ہزار کفار کا لشکر جو ہر قسم کے اسلحہ سے آراستہ تھا سات سو جاں نثاران اسلام سے معرکہ آراء ہوا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے کفر کی صفیں شیر نیستان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور شیر خدا سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شمشیر خارا شگاف نے پلٹ دیں اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مجاہدین اسلام نے میدان مار لیا لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے جب کفار کی صفوں میں گھس کر دشمن سے جنگ میں مصروف تھے۔ تو ہندہ کا حبشی غلام جس کا نام وحشی تھا نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ دوسری طرف نکل گیا آپ رضی اللہ عنہ گرے اور جام شہادت نوش کر گئے۔ وحشی میدان جنگ سے کھسک کر طائف چلا گیا۔ ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنا چہرہ آلود کیا اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ چبایا تھا۔

لشکر کفار جب میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو ان کے عورتوں کے دستے نے بھی اپنی قائد ہندہ کے ہمراہ راہ فرار اختیار کی۔ یہ عورتیں پہنچے چڑھائے بھاگ اٹھیں لیکن ان میں عمرہ نے بھاگنے والوں کا راستہ روک لیا اور للکار کر کہا بے غیرتو!

کہاں بھاگے جا رہے ہو اگر لڑ نہیں سکتے تو خیموں میں جاؤ اور بچوں کو سنبھالو ہم مسلمانوں سے لڑیں گی اور اپنے سر کٹائیں گی۔ اہل مکہ کے آخری علمبردار صنواب کے مارے جانے کے بعد ان کا جھنڈا زمین پر گر پڑا تھا۔ اسے اٹھانے کی کسی میں جرأت نہ ہو رہی تھی۔ عمرہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا اٹھا لیا اور فضا میں لہرا دیا عمرہ کی شجاعت نے دشمن میں

ایک جذبہ اور جوش پیدا کر دیا۔ دشمن نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔

مسلمانوں کو گمان بھی نہ تھا کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے والا دشمن پلٹ آئے گا وہ مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ گھاٹی کے تیر اندازوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ خالد اور عکرمہ نے اس غفلت کے پیش نظر گھڑسوار رسالے سے حملہ کر دیا۔ بدحواسی میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ گئے چند جان نثار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ گئے دشمن نے رسالت مآب ﷺ پر یلغار کر دی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کو حصار میں لے لیا۔ عتبہ بن ابی وقاص کی سنگبازی سے آپ ﷺ کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے اور ہونٹ مبارک زخمی ہو گیا۔ عتبہ کو حضرت حاطب بن ابی بلتہ نے مار ڈالا۔ عبداللہ بن الشہاب الزہدی کی ضرب سے حضور انور ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ بنی ہذیل کے ماہر زمانہ شمشیر زن عبداللہ بن قمیہ نے تلوار کے وار سے آپ ﷺ کے رخسار گل گوں کو زخمی کر دیا اور خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ وہ پھر تلوار کا وار کرنے کے لئے آگے بڑھا تو حضور اکرم ﷺ اس کا حملہ روکنے کے لئے آگے بڑھے تو سامنے ایک گڑھا تھا اس میں گر پڑے یہ گڑھا ان گڑھوں میں سے ایک گڑھا تھا جو ابو عامر فاسق نے میدان جنگ میں جگہ جگہ کھدوا دیئے تھے۔ تاکہ مسلمان بے خبری میں ان میں گر پڑیں۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے سہارا دیکر آپ ﷺ کو باہر نکالا۔ آپ ﷺ کے گھٹنوں پر خراشیں آ گئی تھیں۔

طبرانی ابوامامہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن قمیہ نے تیر مارا تو کہا:

"یہ لو تیر آیا۔ میں قمیہ کا بیٹا ہوں"۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا! تمہیں اللہ ذلیل کرے۔

چنانچہ کچھ عرصے بعد ایک جنگلی مینڈھے نے عبداللہ بن قمیہ پر حملہ کیا اور اپنے تیز سینگوں سے اسے چھلنی کر کے پہاڑ کی بلندی سے اپنے سر سے دھکا مارا یہ لڑھکتا لڑھکتا نیچے

آرہا۔اس کا گوشت ریزہ ریزہ ہو گیا اور ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔

(سبل الہدیٰ جلد ۴ صفحہ ۲۹۵)

اس حشر ساماں لحات میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ۔نے اپنے آپ کو سپر بنا رکھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی انگلیاں کٹ گئیں۔متعدد صحابہ نے جاں نثاری کا مظاہرہ کیا اس کڑے وقت میں صحابہ کے گروہ میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور آپ ﷺ کی مدافعت کرتے رہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ واقعہ "موذن رسول ﷺ" میں اس طرح ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ" غزوہ احد میں میرے آقا ﷺ ایک پتھر سے زخمی ہو کر زمین پر گرے۔مکہ کا مشہور شمشیر زن عبد اللہ بن قمعیہ آپ ﷺ تک پہنچ گیا۔یہ ایک آسان بلا کوشش ضرب کا معاملہ تھا۔لیکن یکا یک خون کے جوش مارنے سے ابن قمعیہ جو ٹھنڈے خون اور جذبات سے عاری آدمی تھا نفرت میں پھنس کر رہ گیا۔اس نے اپنی تلوار ضرورت سے زیادہ بلند کر لی اور جلدی میں خود نیچے آ گیا۔صحیح نشانہ لگانے کی تمام شہرت کے باوجود وہ ناکام رہا۔میں نے خود کو پوری قوت کے ساتھ ابن قمعیہ پر پھینکا۔میری تلوار اور میرا جسم زمین پر گر پڑے گئے۔پھر ہم سب سرکار دو عالم ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ ہم کل بارہ آدمی تھے اور ہماری تلواریں خار پشت کانٹوں کی طرح اٹھی ہوئی تھیں۔"

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی غزوۂ احزاب میں شرکت

۵ھ میں غزوہ خندق وقوع پذیر ہوا۔ اس میں قریش کے لشکر کو یہود بنو عبس، بنوذبیان اور دیگر قبائل عرب کے جیوش کا عملی تعاون حاصل تھا۔ سرزمین عرب پر پہلی بار اتنا بڑا لشکر جمع ہوا ان قبائل کے لشکروں کے اجتماع کے باعث اسے غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے دفاع کے لئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ کے اس حصہ میں یہاں پہاڑ باغات یا قدرتی طور پر دفاع کا بندوبست نہ تھا خندق کھودی یہ خندق تین میل لمبی تھی۔ خندق کی چوڑائی پندرہ فٹ تھی۔ تین ہزار صحابہ کرام نے مل کر اسے چھ دن میں مکمل کیا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی خندق کی کھدائی میں شرکت فرمائی۔ سخت سردی کا موسم تھا اور مسلمان نامساعد حالات کا شکار تھے۔ خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آ گئی جو نہ کسی سے ہلتی تھی اور نہ ہی ٹوٹتی تھی۔ محبوب خدا ﷺ بھی موقع پر پہنچ گئے آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کدال لے کر تین پے در پے ضربیں لگائیں۔ پہلی ضرب پر ایک شعلہ بلند ہوا جو اتنا روشن تھا کہ مدینہ کا شہر اور سارا جنوبی علاقہ روشن ہو گیا۔ دوسری ضرب لگائی تو چنگاریاں نکلیں اس مرتبہ احد اور اس کے شمال کا علاقہ روشن ہو گیا۔ تیسری ضرب پر چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی۔ اس مرتبہ جو روشنی نکلی تو تمام مشرقی علاقے میں چکا چوند ہو گئی۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں حضور اکرم ﷺ کے خیمہ میں خدمت پر مامور تھا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ البتہ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے یہ تمام ماجرا مجھے سنایا انہوں نے بتایا کہ جب میں نے یہ روشنیاں دیکھیں تو نبی مکرم ﷺ سے اس کی تعبیر پوچھی انہوں نے فرمایا! سلمان رضی اللہ عنہ پہلی روشنی میں میں نے یمن کے محلات دیکھے۔

دوسری میں مجھے شام کے محلات نظر آئے اور تیسری روشنی میں مجھے مدائن میں کسریٰ کا

سفید محل نظر آیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے بشارت ملی ہے کہ میرے لئے پہلی روشنی کے ذریعے یمن کی راہ کھول دی گئی ہے۔ دوسری کے ذریعے شام اور تیسری کے ذریعے مشرق کے راستے واہ کردیئے گئے ہیں۔

خندق کی کھدائی کے دوران ایک اور معجزہ رونما ہوا۔ صحابہ کرام کئی کئی دن فاقہ رہتے تھے۔ خود رسالت مآب ﷺ کی بھی یہی حالت تھی۔ ادھر سخت محنت کشی نے صحابہ کرام کو نڈھال کردیا تھا۔ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے پتھر ہلانے کے لئے مدد مانگی تھی تو انہیں کئی روز بعد حضور اکرم ﷺ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ حضور انہیں بہت کمزور دکھائی دیئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے گھر جاکر اپنی بیوی سے اپنی پریشانی کا حال سنایا تو انہوں نے کہا ہمارے گھر تو صرف بھیڑ کا چھوٹا سا بچہ ہے اور کچھ جو۔ چنانچہ انہوں نے بھیڑ کے بچے کو ذبحہ کیا اور جو پیس کر کچھ روٹیاں تیار کیں۔ اس دن جب رات ہوگئی۔ نظر آنا بند ہوگیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کھانے کی دعوت دی۔ جابر رضی اللہ عنہ یہ قصہ بڑے شوق سے بیان کرتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے میری ہتھیلی پر ہتھیلی رکھ دی اور انگلیاں اپنی انگلیوں میں جکڑ لیں میں نے صرف انہیں دعوت دی تھی مگر انہوں نے عام اعلان کرادیا کہ آج جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں ہم سب کی دعوت ہے میں پریشان ہوکر گھر روانہ ہوا اور اپنی بیوی کو ساری بات بتائی۔ بیوی نے ذرا تامل کے بعد سوال کیا کہ سب کو دعوت تم نے دی ہے؟ میں نے بتایا یہ ان کا فیصلہ ہے۔ بیوی نے سن کر کہا تو پھر وہ بہتر سمجھتے ہیں۔ حضور ﷺ دس صحابہ کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ کھانا ان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ انہوں نے اللہ کا نام لے کر برکت کی دعا مانگی۔ جب سب سیر ہوکر کھا چکے تو کھانا ابھی باقی تھا۔ پھر اسی طرح دس دس کی ٹولیاں آتی رہیں اور سیر ہوکر لوٹتی رہیں۔ آخری ٹولی جانے کے بعد بھی کچھ کھانا بچ رہا تھا۔ میں خود بھی ایک ٹولی میں شامل تھا ہر شخص اپنی آنکھوں سے اللہ کی رحمت کو دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں شکر بجالا رہا تھا۔ اللہ بزرگ کے فضل سے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود خندق چھ

دن کی محنت شاقہ سے تیار ہوگئی۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے حکم سے خندق کے ساتھ ساتھ تیروں اور پتھر سے لیس مجاہدین کی چوکیاں بٹھادیں گئیں اور خود آپ کا خیمہ کوہ سلع کے دامن میں سرخ چمڑے سے تیار کیا گیا۔ دشمن کا خیال تھا کہ ان کا مسلمانوں سے مقابلہ پھر کوہ احد کے دامن میں ہی ہوگا۔ چنانچہ قریش ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اور غطفان اور نجد کے قبائل کے لشکر صحرائے نجد سے گزر کر احد کے قریب جمع ہوئے ان کو یہ دیکھ کر بہت صدمہ ہوا کہ وہاں ایک تو مسلمانوں کا نام ونشان بھی نہ تھا دوسرے فصل خریف کٹ جانے کے باعث انکے گھوڑے اور اونٹوں کے لئے خاردار جھاڑیوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ لہٰذا حملہ آور لشکر نے مدینہ کا رخ اختیار کیا۔ لیکن وہ خندق دیکھ کر اور بھی سراسیمہ ہوگئے۔ دوسری طرف خندق کے پار سے مسلمانوں نے تیروں اور پتھروں کی بارش کردی۔ کفار کے لئے واپس پلٹنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ دشمن نے جواباً تیراندازی شروع کردی جس سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے۔ دشمن کے بھی بہت سے جنگجو اور گھوڑے اونٹ بری طرح زخمی ہوگئے اور ہلاکتیں بھی ہوئیں۔ اب دشمن جم کر بیٹھ گیا۔ ان کے لئے خندق ناقابل عبور تھی۔ تاہم ایک روز دشمن کے چند جانبازوں نے ایک ایسی جگہ سے یہاں خندق کم چوڑی اور کم گہری تھی۔ اپنے گھوڑے کدوا دیئے۔ عرب کا مشہور گھوڑ سوار جنگجو عبدود، ضرار بن خطاب، عکرمہ بن ابوجہل اور بنومخزوم کے نوفل خندق عبور کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا راستہ روکا اور چشم زدن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبدود پر ایسا وار کیا کہ وہ زمین پر آرہا باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ نوفل بمعہ گھوڑے کے خندق میں گر پڑا۔ مسلمانوں نے خندق میں اتر کر اسے ہلاک کر دیا۔ دشمن نے ایک اور چال چلی۔ بنو قریظہ کا مسلمانوں سے عہد تھا بنونضیر کا سردار حی بن اخطب قریظہ کے سردار کعب بن سعد کو شب کی تاریکی میں ان کے گھر پر ملا اور اسے مسلمانوں سے عہد شکنی پر آمادہ کرلیا۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ خزرجی، حضرت سعد بن معاذ اوسی رضی اللہ عنہ، حضرت

زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو حالات کی تصدیق کے لئے بنو قریظہ کے پاس بھیجا تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ کلمات کہے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر صورتحال سے نبی مکرم ﷺ کو آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے بآواز بلند نعرہ تکبیر لگایا تا کہ مسلمانوں کے حوصلے بلند رہیں۔ ادھر بنو غطفان کے نعیم بن مسعود ایک دن خیمہ نبوی میں حاضر ہوئے اور دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ بنو غطفان کو نعیم کے اسلام لانے کا قطعاً علم نہ ہوا۔ نعیم نے حضور اکرم ﷺ کے حکم سے دشمن میں پھوٹ ڈالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ خفیہ طور پر کعب، سے ملے اور ان کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ جنگ کا فیصلہ فریقین میں سے کسی کے حق میں بھی ہو سکتا ہے بالفرض جنگ میں قریش اور بنو غطفان کی فتح ہوتی ہے۔ تو وہ مال غنیمت لوٹیں گے۔ لیکن اگر جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ گیا تو قریش اور بنو غطفان تمہیں تنہا چھوڑ کر واپس پلٹ جائیں گے ایسے میں تمہارا کیا حشر ہو گا؟ کعب کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ نعیم نے کعب کو بتایا کہ ایسی صورت میں مسلمان تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ نعیم نے کعب کو مشورہ دیا کہ بہتر یہ ہے کہ قریش اور بنو غطفان کو واقعی پابند بنانے کے لئے ان سے ان کے سر برآوردہ اشخاص بطور ضمانت طلب کئے جائیں تا کہ وہ شکست کی صورت میں انہیں تنہا نہ چھوڑ جائیں۔ بنو قریظہ کو نعیم کی باتیں بہت پسند آئیں۔ اس کے بعد نعیم سیدھا ابوسفیان کے خیمہ میں پہنچا اور اس سے راز داری کا وعدہ لے کر کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بنو قریظہ مسلمانوں سے معاہدہ توڑ کر بہت پچھتا رہے ہیں اور بے حد پریشان ہیں۔ انہوں نے عہد شکنی کی تلافی کے لئے فیصلہ کیا ہے کہ وہ کسی طرح غطفان اور قریش کے اہم لوگ حاصل کئے جائیں اور انہیں محمد ﷺ کے حوالے کر کے اپنی خطا معاف کرا لیں۔ اٹھتے اٹھتے پھر اس نے ابوسفیان سے وعدہ لیا کہ وہ ان کی تمام گفتگو صیغہ راز میں رکھیں گے۔ اس کے بعد نعیم اپنے قبیلے غطفان کے پاس پہنچا اور انہیں بھی وہ کچھ کہا جو ابوسفیان سے کہا تھا ان سے راز داری کا وعدہ لیا۔ ابوسفیان بہت پریشان ہوا۔ اگلے روز اس نے بنو قریظہ کو کہلا بھیجا کہ

کل مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ بنو قریظہ نے صاف صاف جواب دیا کہ کل سبت کا دن ہے۔ اس دن ہمارے مذہب میں جنگ حرام ہے۔ اب وہ آئندہ بھی جنگ میں اس شرط پر شریک ہوں گے کہ پہلے قریش اور غطفان اپنے خاص لوگ ان کے حوالے کریں۔ ابوسفیان کا شک یقین میں بدل گیا کہ نعیم نے سچ ہی کہا تھا۔

آویزش کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ دشمن کا ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ گیا تھا ان حالات میں یہ الرحمٰن الرحیم کا مسلمانوں پر خاص احسان تھا۔ ایک ماہ گزر چکا تھا اور حالات جوں کے توں تھے قریش اور بنو قریظہ کے یہود نے اپنے اتحادیوں کو یقین دلایا تھا کہ بس ایک دو دن کی بات ہے کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا اور لوٹ مار کر کے وہ کامیاب و کامران واپس لوٹ آئینگے۔ لیکن حالات بگڑتے جا رہے تھے اب ان کو کامیابی کا یقین نہ تھا۔ ادھر مسلمان بھی فاقہ کشی اور سخت سردی سے دوچار تھے۔ مشیت ایزدی کا خفیہ ہاتھ ان کی مدد کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ایک یخ بستہ رات کو سخت کڑک اور طوفان بادوباراں اٹھا۔ دشمن کے خیمے اکھڑ گئے۔ برتنوں میں ریت بھر گئی۔ دشمن اسلام اور طاغوتی لشکر کا سب سے بڑے سرغنہ ابوسفیان نے محاصرہ توڑ کر واپس جانے کا اعلان کر دیا اور بغیر کسی کا انتظار کئے کے پلٹ گیا۔ مسلمانوں نے کلمہ شکر ادا کیا۔ علی الصبح نبی مکرم ﷺ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ ادھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کے الفاظ کہہ رہے تھے تو دوسری طرف دشمن کے خیموں کی تباہی اور پسپائی کا منظر رب ذوالجلال کی کبریائی کی تفسیر پیش کر رہا تھا۔ جب سورج کی پہلی کرن نے زمین کو چھوا تو خندق کے پار کوئی ذی روح چیز موجود نہ تھی۔

اس موقع پر سورہ احزاب کی آیت نمبر ۹ نازل ہوئی جس میں رب ذوالجلال والاکرام نے اپنے اس احسان کا بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد اقامت ہوئی اور نبی مکرم ﷺ نے نماز کی امامت فرمائی۔ ہر مسلمان دل ہی دل میں ہزار سجدے کر رہا تھا ہر آنکھ الرحمٰن الرحیم کے عظیم احسان پر اشکبار تھی۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگ اپنے اپنے خیموں میں لوٹ

گئے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دیر تک دشمن کے اکھڑے ہوئے خیموں کو دیکھتا رہا (اسلحہ اور تعداد کے زعم میں مبتلا دشمن جو اللہ کے نام لیواؤں کو مٹانے آیا تھا مگر خود پلٹ گیا) میرے لبوں پر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کا کلمہ جاری تھا جسے میں اکثر رسول اللہ ﷺ کے منہ سے سنا کرتا تھا۔ بلاشبہ

وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، مَعَ الصَّادِقِيْنَ

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور غزوہ بنو قریظہ

غزوہ احزاب کے دوران بنو قریظہ نے معاہدہ شکنی کر کے مسلمانوں کے لئے خطرناک حالات پیدا کر دیئے تھے۔ اس مار آستین کا سر کچلنا بہت ضروری تھا۔ محاصرہ کے خاتمے اور دشمن کی پسپائی کے بعد لشکر اسلام واپس لوٹا تو نبی محترم ﷺ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور نماز ظہر ادا فرمائی اور خوشبو طلب فرمائی اسی اثناء میں ایک چمکدار سفید عمامے والا اونٹ سوار آیا اور اس نے کہا۔

''یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو فتح دے آپ ﷺ نے ہتھیار اتار دیئے حالانکہ ملائکہ نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے۔ جلدی اٹھیئے اور اپنے ہتھیار پہنئے اور بنی قریظہ کی طرف توجہ فرمائیے۔ خدا کی قسم میں جا کر ان کے قلعہ کو اس طرح کوٹتا اور توڑتا ہوں جس طرح کہ انڈے کو پتھر پر مارتے ہیں۔ پیکر نور ﷺ نے اسی وقت سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں اعلان فرمادیا کہ اے اللہ کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ۔ ہر سننے والے فرماں بردار کو دوسری نماز بنو قریظہ میں ادا کرنی چاہیے''۔

اس مہم میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نیزہ بدست شریک ہوئے۔ مسلمان مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں بنو قریظہ کی گڑھی پہنچے۔ بعض صحابہ اکرم رضی اللہ عنہ نے وقت کی رعایت کرتے ہوئے عصر کی نماز ادا فرمائی اور بعض نے بنو قریظہ کی بستی میں جا کر نماز ادا فرمائی۔ جب سرکار دو عالم ﷺ نے سنا تو دونوں میں کسی پر بھی ملامت یا ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بنو قریظہ نے مسلمانوں سے عہد شکنی کر کے نہ صرف غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے حضور انور ﷺ کی شان اقدس میں

گستاخانہ اور نازیبا کلمات بھی کہے تھے۔ چنانچہ ان کی گڑھی کا محاصرہ کرلیا گیا جو پچیس یا تیس دن جاری رہا۔ بالآخر یہود نے اس شرط پر سپر ڈال دی کہ ان کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کریں چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کی کتاب کے مطابق ان کا فیصلہ کیا جس کے تحت بنوقریظہ کے چار سو مرد قتل ہوئے اور زن و بچہ کو غلام بنالیا گیا۔

تسخیر خیبر اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ

خیبر مدینہ سے 96 میل کے فاصلے پر ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ تین سن ھجری کو بنو نصیر کے یہود کو مدینہ بدر کیا گیا تو ان میں سے بیشتر لوگ خیبر کی وادی میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ تب سے خیبر مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ یہ بنو نضیر کے یہود ہی تھے جو تمام دنیائے کفر کو مسلمانوں کے خلاف غزوہ خندق میں مدینہ پر چڑھا لائے تھے۔ خیبر کا معنی ہیں قلعہ۔ اس خطہ میں یہود کے نو قلعے تھے جن میں ناعم' قطارہ' مریطہ' سالم' نطاط اور قموص' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غزوہ خندق میں طاغوت کے متحدہ لشکر کی ذلت آمیز شکست کے بعد قریش تو ہمت ہار بیٹھے تھے تاہم یہود کی سرگرمیاں اب بھی مسلمانوں کے خلاف جاری تھیں۔ چنانچہ سرور دو عالم ﷺ نے یہود کا سر کچل ڈالنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ آپ ﷺ نے محرم 7ھ کو بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ خیبر کی طرف کوچ فرمایا۔ عساکر اسلام رات کے وقت خیبر پہنچا لیکن شب خون نہ مارا۔ اگلے دن صبح کے وقت جنگ کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں نے تمام قلعے یکے بعد دیگرے فتح کر لئے تاہم قلعہ قموص کے یہودی سخت مزاحم ہوئے آخر مسلمانوں نے قلعہ قموص کا دروازہ توڑ ڈالا۔ وہاں پہ یہود کا مشہور جنگجو مرحب مارا گیا اور یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ یہود نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس جنگ میں 90 یہودی مارے گئے اور بیس مسلمان شہید ہوئے۔ یہود اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا کہ یہود کی تمام املاک زمین اور جائیدادوں کے مالک مسلمان ہوں گے۔ یہود اپنے گھروں میں رعایا کی طرح رہیں گے۔ اگر خلاف معاہدہ مال وزر میں سے کوئی شے مسلمانوں سے مخفی رکھی گئی تو صلح ٹوٹ جائے گی اور مسلمانوں کو قتل و غارت اور جلاوطنی کا اختیار ہو گا۔

معاہدہ کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے یہود سے اس مال و دولت

کے بارے میں دریافت فرمایا جو وہ مدینہ سے جلاوطنی کے وقت لے کر نکلے تھے۔ تو حی ابن اخطب کے داماد کنانہ بن ربیع نے اس کے بتانے میں عذر خواہی کی۔ لیکن ایک یہودی کی نشان دہی پر جنگل میں مدفون وہ خزانہ مل گیا۔ تو کنانہ بن ربیع کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ اس کے خاندان کی عورتیں اور بچے غلام بنا لئے گئے ان میں حی بن اخطب کی بیس سالہ بیٹی اور کنانہ کی بیوہ صفیہ بھی شامل تھی۔ ان سب کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے صفیہ اور ان کی ایک کمسن بہن کو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں خیمہ کی طرف بھیج دیا گیا۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کو لے کر خیبر کے مقتولین کے پاس سے گزرے تو چھوٹی لڑکی اس منظر کو دیکھ کر بے تحاشہ روئی۔ سرکار دو عالم ﷺ کو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر بہت رنج ہوا اور جس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ صفیہ کو خیمہ میں پہنچا کر واپس تشریف لائے تو رحمت دو عالم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: "اے بلال رضی اللہ عنہ کیا تم نے رحم کو اپنے دل سے نکال ڈالا ہے؟ کیا تمہیں اس کمسن بچی پر رحم نہ آیا؟ تم اس کو مقتولین کی طرف سے کیوں لے کر گئے؟" اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ میں چاہتا تھا کہ صفیہ کو وہ حالت دکھاؤں جو اس کو شاق تھی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ مجھے اس بار معاف فرما دیں آئندہ ایسا نہ ہوگا۔

واقعہ لیلۃ التعریس اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ

تسخیر خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے واپسی کا حکم صادر فرمایا۔ عساکر اسلام نے راستے میں وادی القریٰ میں قیام فرمایا۔ رات کا وقت تھا۔ سرورکائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کون ایسا شخص ہے جو آج شب پہرہ دے اور صبح کی نماز کے لئے بروقت جگا دے۔ کیونکہ رات تھوڑی رہ گئی ہے شاید ہمیں گہری نیند ہو جائے اور صبح کی نماز قضا ہو جائے''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں جاگتا رہوں گا۔ سرکار رحمت دو عالم ﷺ اور مجاہدین اسلام آرام فرمانے لگے اور نیند آ گئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد مشرق کی طرف منہ کر کے صبح کے انتظار میں لاٹھی کے سہارے بیٹھ گئے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کو بھی اسی حالت میں نیند آ گئی اور سورج نکل آیا اور اس کی تیز تیز کرنوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے قدموں کے بوسے لینے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے نبی محترم ﷺ بیدار ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا کہ!

اے بلال رضی اللہ عنہ یہ تم نے کیا کیا؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فوراً بیدار ہوئے اور عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ جس نے حضور انور ﷺ کو سلایا اسی نے مجھ کو سلایا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جگایا اور اس وادی سے کچھ دور جا کر وضو فرمایا پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے بھی وضو فرمایا۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور نبی محترم ﷺ نے باجماعت نماز ادا کی اور فرمایا:

جب تم نماز کو بھول جاؤ تو پھر جس وقت یاد آ جائے اسی وقت اس کو پڑھ لو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِلذِّکْرِیْ (مدارج النبوت)

فتح مکہ، کعبہ کی چھت پر اذان

6ھ میں حضور اکرم ﷺ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی معیت میں زیارت کعبہ کے لئے مکہ گئے تھے لیکن کفار مکہ نے آپ ﷺ اور صحابہ کرام کو زیارت کعبہ سے روک دیا تھا۔ فریقین میں حدیبیہ کے مقام پر صلح نامہ طے پایا گیا کہ دس سال تک آپس میں جنگ نہ ہوگی اور طرفین امن وسکون سے رہیں گے۔ قبائل عرب کو اجازت تھی کہ چاہیں تو قریش کے حلیف بن جائیں اور چاہیں تو وہ مسلمانوں کے ساتھ تعلقات قائم کر لیں۔ قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف بن گیا جبکہ بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات قائم کر لئے۔

مدینہ سے روانگی سے لے کر حدیبیہ کے درے میں قیام اور سفر واپسی میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔ قریش کا سفیر عروہ جب مسلمانوں کے کیمپ میں آیا تو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی اسے خیمہ نبوی میں لے گئے تھے اور عروہ کا تعارف آپ ﷺ سے کروایا۔ بات چیت ختم ہونے کے بعد عروہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی معیت میں ہی دوسرے خیموں کی سیر کی۔ بیعت رضوان کا والہانہ منظر بھی سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس وقت آپ رضی اللہ عنہ خیمہ نبوی میں تھے۔ صلح نامہ حدیبیہ طے پا جانے کے بعد مسلمان واپس مدینہ لوٹ گئے لیکن بعض صحابہ کرام کو معاہدہ کی مغلوبانہ شرائط ناپسند تھیں لیکن حضور انور ﷺ کے قول فیصل کے پیش نظر سب کو یہ تلخ گھونٹ حلق سے اتارنا پڑا۔ راستہ میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔ حقیقت میں یہ صلح نامہ مسلمانوں کے لئے فتح مبین ہی ثابت ہوا۔ مسلمانوں کو دنیاوی لحاظ سے بہت فوائد حاصل ہوئے جیسا کہ خیبر فتح ہوا۔ مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ مسلمانوں سے کھلے عام میل جول سے عامۃ الناس کو اسلام سمجھنے کا موقع ملا تو ان کی غلط فہمیاں دور ہو گئیں بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ سب

سے بڑھ کر یہ کہ یہی معاہدہ فتح مکہ کا دیباچہ ثابت ہوا۔ قریش مکہ کے عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور دیگر افراد نے بنوبکر کو مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ کے خلاف اکسایا اور بنوخزاعہ پر شب خون مروایا ان کا قتل کرایا۔ جب بنوخزاعہ کے لوگوں نے بیت اللہ میں پناہ لی تو بنوبکر نے وہاں بھی گھس کر انہیں قتل کر دیا۔ بنوخزاعہ کے سردار عمرو بن سالم خزاعی نے دربار نبوی میں حاضر ہو کر مدد کی درخواست کی جو آپ ﷺ نے قبول کر لی۔ حضور اکرم ﷺ نے قریش کو لکھ بھیجا۔

1۔ بنوخزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے۔

2۔ بنوبکر سے کنارا کش ہو جائیں۔

3۔ معاہدہ حدیبیہ توڑ دیا جائے۔

قریش کی طرف سے فرطہ بن عمر نے کہا ہمیں تیسری شرط منظور ہے۔ اسلامی قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے جلدی میں ابوسفیان کو تجدید عہد کے لئے مدینہ بھیجا۔ رسول رحمت ﷺ نے ابوسفیان کی تجدید عہد کی استدعا کے جواب میں کوئی مثبت یا منفی جواب نہ دیا بلکہ خاموش رہے۔ پھر ابوسفیان نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو درمیان میں ڈالنا چاہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا آخر وہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر مسجد نبوی میں تجدید عہد کا خود اعلان کر کے واپس مکہ لوٹ گیا۔

سید المطہرین ﷺ نے عمرو بن سالم خزاعی کی واپسی اور ابوسفیان کی خود تجدید عہد کے اعلان کے بعد خفیہ جنگی تیاریاں شروع کر دیں، گیارہ یا بارہ رمضان المبارک 8ھ کو دس ہزار (اسلحہ سے پوری طرح لیس) مجاہدین کا لشکر حضور انور ﷺ کی قیادت میں مدینہ سے روانہ ہوا راستے میں دو ہزار مجاہدین کا اضافہ ہو گیا اس طرح عساکر اسلام کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ مدارج النبوت میں روانگی کا وقت بعد نماز عصر تحریر ہے۔ لیکن عاشق رسول کے مصنف ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی نے لشکر اسلام کے، مکہ کے نواح میں پہنچنے کی تاریخ گیارہ

رمضان المبارک لکھی ہے۔ بہر حال یہ لشکر کوہ صفا کی اوٹ میں الظہر ان کے مقام پر شام کے وقت خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے مکہ چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے۔ یہاں سے ایک راستہ قبیلہ بنو ہوازن کی طرف جاتا تھا یہ قبیلہ لات کا پجاری تھا اور اسلام دشمنی میں قریش مکہ سے بڑھا ہوا تھا۔ یہاں سے ایک راستہ طائف کی طرف نکلتا تھا جو لات کے مندر کے محافظوں کا سرسبز شہر تھا۔ لیکن کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کا کدھر کا ارادہ ہے ہر کوئی تذبذب میں تھا۔ نماز مغرب کے بعد حضور اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق ہر شخص نے اپنا اپنا الاؤ روشن کیا تو دور دور تک آگ ہی آگ روشن نظر آنے لگی۔ اب تک قریش مکہ کو مسلمانوں کی آمد کی کچھ خبر نہ تھی تاہم وہ غمزدہ اور خوف زدہ ضرور رہا کرتے تھے کیونکہ ان کو اسی بات کا علم تھا کہ حضور اکرم ﷺ مکہ کا عزم رکھتے ہیں۔ چنانچہ ابوسفیان حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ خزاعی حالات کا پتہ لگانے کے لئے نکل پڑے۔ دوسری طرف حضرت عباس (آپ ﷺ کے چچا) بھی اونٹنی یا خچر پر سوار ہو کر لشکر سے نکلے تا کہ کوئی آدمی مل جائے تو اسے حالات سے آگاہ کیا جائے کہ وہ مکہ والوں کو مطلع کر دے کہ اپنا انجام سوچ لیں۔ کاش کہ حضور اکرم ﷺ اس شان وشوکت سے آئے ہیں کہ اگر دفعتاً قریش پر حملہ کر دیں تو وہ ملیا میٹ ہو جائیں اور ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔ ناگاہ ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پہچان لی اور آواز دی اے ابو حنظلہ! اس نے کہا کیا ابو الفضل ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ پھر وہ کہنے لگا اے ابوالفضل میرے ماں باپ تم پر قربان۔ یہ کیا ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تم پر افسوس ہے۔ رسول خدا نے بارہ ہزار لشکر کے ساتھ تم پر چڑھائی کی ہے۔ اس نے کہا اب کیا ہوگا؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے اونٹ پر سوار کیا اور کہا رسول خدا کے پاس جا کر تمہارے واسطے امان کی درخواست کروں گا۔ ابوسفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار ہو گیا۔ بدیل بن ورقہ اور حکیم بن حزام جو ابوسفیان کے ساتھ تھے واپس مکہ چلے گئے۔ لیکن ایک روایت ہے کہ حکیم اور بدیل دونوں ہی بارگاہ نبوت میں آ کر حاضر ہوئے اور مسلمان

ہو گئے۔ ہوسکتا ہے پہلے مکہ گئے ہوں اور پھر واپس آ گئے ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خیمے کے سامنے سے گزرے ان کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو چھلانگ لگائی اور تلوار ۔لے کر پیچھے دوڑے کہ ابوسفیان کو قتل کر دیں۔ بیشتر اس کے کہ وہ دربار نبوی میں پہنچنے پائے، میں نے اپنا اونٹ تیز دوڑایا اور ہم فاروق اعظم کی رسائی سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ کے خیمہ مبارک میں پہنچ گئے اور گزارش کی کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے ابوسفیان کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور عمر اس کو قتل کرنے پر تلے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے خیمہ میں لے جاؤ کل صبح میرے سامنے پیش کرنا۔ اگلے دن صبح کے وقت میں نے ابوسفیان کو ۔لے کر بارگاہ نبوی میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان سے دریافت کیا اے ابوسفیان! افسوس ہے تجھ پر کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تجھے معلوم ہو کہ سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ابوسفیان نے کہا۔ اگر کوئی ہوتا تو اس وقت ہمیں فائدہ پہنچاتا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تجھے معلوم ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابوسفیان نے کہا۔ ابھی تک میرے دل میں اس بارے میں کچھ شک ہے۔ اس لئے میں متوقف ہوں۔ مجھے سوچنے کے لئے وقت چاہئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا بات کو لمبا نہ کرو۔ قیل و قال چھوڑ و کلمہ توحید پڑھ لے ورنہ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آ جائیں گے اور تمہارا سر کاٹ دیا جائے گا۔ ابو سفیان نے اسی وقت کہا:

اشھد ان لا الله الا الله واشھد ان محمدا رسول الله

رسول خدا نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سفارش پر ابوسفیان کے فخر و شرف پسندی کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو امان ہے۔ جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ابوسفیان کو گلے لگایا اور مبارک باد دی۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بڑھ کر مصافحہ کیا اور

نبی کریم ﷺ کے الفاظ دہرائے۔

"اللہ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے ایمان بندے کی اپنی صفت نہیں اللہ کا عطیہ ہے"۔

ابوسفیان نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور کہا:

"ارے حبشی تو تو بڑا معلم بن گیا ہے"۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو ایسی جگہ پر لے کر کھڑے ہو جاؤ جہاں سے وہ لشکر اسلام کا نظارہ کر سکے تا کہ اس کا کبر ونخوت ملیامیٹ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر ایک گھاٹی پر کھڑے ہو گئے اس کے بعد اسلامی فوج کے دستوں نے مرالظہر ان کی طرف کوچ کرنا شروع کیا۔ یہ فاتحانہ دستے سمندر کی موجوں کی طرح متلاطم نظر آتے تھے مختلف قبائل کے دستے اپنے اپنے جھنڈوں کے ساتھ گزر رہے تھے جب کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا نام دریافت کرتے اور کہتے مجھے اس سے کیا سروکار۔ آخر میں نبی رحمت ﷺ مہاجرین وانصار کے جلو میں تشریف لائے۔ یہ ایسا آہن پوش دستہ تھا کہ صرف ان کی آنکھیں نظر آتی تھیں۔

ابوسفیان نے پوچھا اے عباس یہ کون لوگ ہیں۔؟

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو مہاجرین وانصار کے جلو میں تشریف لا رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا ابوالفضل۔ آج تیرے بھتیجے کی بادشاہت قائم ہوگئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

اے ابوسفیان یہ بادشاہت نہیں معجزہ نبوت ہے۔

(نبی رحمت صفحہ 66 از مولانا سید ابوالحسن علی)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جب ایک ہزار انصاری ساتھیوں کے ہمراہ

ابوسفیان کے برابر پہنچے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج خون ریزی اور قتل کرنے کا دن ہے۔ آج حرمت حرم حلال کر دی گئی ہے آج کے دن حق تعالیٰ نے قریش کو ذلیل و رسوا کیا ہے پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اے بنو اوس اور بنو خزرج کے لوگو:

آج قریش سے روز احد کا بدلہ لے لو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے ابوسفیان خوفزدہ ہو کر دربار نبوی میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ سے آپ ﷺ کو آگاہ کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ: کیا آپ ﷺ نے اپنی قوم کو حکم دیا ہے کہ وہ قتال کریں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے ایسا حکم نہیں دیا۔ سعد بن عبادہ نے اپنے طور پر ایسا کیا ہے۔ اور سہواً کیا ہے۔ آج تو رحم اور مہربانی کا دن ہے۔ آج تو اللہ تعالیٰ قریش کو معزز فرمائے گا۔ اور آج کے دن اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی عزت وعظمت زیادہ کرے گا۔ تم سب اطمینان رکھو اور ایمان لاؤ۔ (مدارج النبوۃ از شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی)

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان اپنے عزیز و اقارب کی رعایت کے لئے مضطرب ہو گئے۔ اور انہوں نے بھی ابوسفیان کی طرح نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ ہم سعد بن عبادہ سے مامون نہیں ہیں ایسا نہ ہو کہ ان سے قریش کو گزند پہنچے۔ آپ ﷺ نے قیس بن سعد کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے والد سے علم لے لیں اور نرمی اور مہربانی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان مکہ میں داخل ہوا اور مکہ والوں کو خبر کر دی کہ حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ جو کوئی میرے گھر میں داخل ہو جائے گا۔ جو کوئی اسلحہ پھینک دے گا، جو کوئی اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھے گا اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو گا سب مامون ہوں گے۔

قریش نے کہا (اللہ تجھے روسیاہ کرے) یہ کیسی خبر ہے۔ جو تو ہمارے لئے لایا ہے۔ دراصل قریش کو ابھی تک افواج اسلامی کے آنے کا یقین نہ تھا۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان نے اس کی داڑھی پکڑ کر اسے رسوا کیا اور کہنے لگی اے آل غالب اسے مار ڈالو تا کہ یہ اس طرح

کی بات منہ سے نہ نکالے۔ ابوسفیان نے کہا تم جو خواری چاہو میرے ساتھ کرلو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ محمد ﷺ اپنی فوج کے ساتھ بڑی شان وشوکت کے ساتھ آپہنچے ہیں۔ اگر تم مسلمان نہ ہوگے۔ تمہاری گردن قلم کردی جائے گی۔ اور گھروں میں جا کر دروازے بند کرلو تم سب کے لئے یہی بہتر ہے مرالظہر ان سے چل کر عساکر اسلام ذی طویٰ پہنچا تو حضور اکرم ﷺ نے سپاہ کو رکنے کا حکم دیا۔ قصویٰ پر بیٹھے بیٹھے فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ میمنہ پر خالد رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ تیسرے حصے کی خود قیادت سنبھالی لیکن بعد میں اس کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک پر قیس بن سعد اور دوسرے پر ابوعبید رضی اللہ عنہ کو تعینات فرمایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ خالد رضی اللہ عنہ کو شہر کے زیریں حصے سے اور باقی تین دستوں کو مکے کے تین دروں سے الگ الگ لیکن بیک وقت شہر میں داخل ہوں گے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے دستے میں شامل تھے اور آپ ﷺ نے خود پر سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ رسول خدا ﷺ اس شان سے مکہ میں داخل ہوئے کہ سر مبارک عبدیت اور تواضع کے غلبہ سے اس قدر جھک گیا تھا کہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک ناقہ کی گردن کو چھو رہی تھی۔ آپ ﷺ اس وقت سورۂ فتح تلاوت فرمارہے تھے۔ حضرت زید بن حارث کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھے۔ یہ کیسا وقت سعید اور مبارک لمحات تھے۔ یہ وقت نور ایمان کے تاباں ہونے کا تھا۔ اور ظلمت کفر کے زوال واضمحلال کا وقت تھا۔ ذرا تصور کیجئے اس وقت حضور اکرم ﷺ کیسے مقام وحال اور کیفیت میں ہوں گے۔ تمام دستے اپنے اپنے معینہ راستوں سے بخیر وعافیت گزر گئے۔ لیکن عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو نے اپنے اعیان وانصار کی مدد سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا راستہ روکا اور محاربہ ومقابلہ پر اتر آئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی جنگ پر اتر آئے۔ فریقین میں خندمہ کے مقام پر جنگ ہوئی اور جنگ خرورہ کے مقام تک پھیل گئی جسے آج کل عزورہ کہا جاتا ہے۔

اس میں 28 کافر مارے گئے اور دو مسلمان بھی شہید ہوئے۔ ایک اور روایت کے مطابق ستر کافر ہلاک ہوئے (مدارج النبوت اردو صفحہ 468) حجون کے محلے میں جنت المعلیٰ کے پاس جہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم رضی اللہ عنہ دفن ہیں سرخ چمڑے کا ایک خیمہ نصب تھا۔ جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے لگایا تھا یہ جگہ خانہ کعبہ سے تھوڑے فاصلے پر ہے۔ ابو رافع کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ لیکن آزاد ہونے کے بعد بھی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر خیمے پر پڑی تو انہوں نے سامنے کھڑے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو پاس بلا کر وہ خیمہ دکھایا۔ یہ واقعہ 21 رمضان المبارک کی صبح کا ہے۔ کچھ لوگ کوہِ ابو قبیس کی پہاڑیوں پر جمع تھے کچھ اپنے اپنے گھروں اور کچھ بیت اللہ میں جمع ہو رہے تھے۔ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا، میمونہ رضی اللہ عنہا اور فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا خیمے میں موجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہی تھیں۔ ام ہانی (حضرت علی کی بہن) بھی گھر سے وہاں پہنچ گئی تھیں۔ قصویٰ خیمے کے پاس پہنچی تو ابو رافع رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر مہار تھام لی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اترے اور خیمے میں داخل ہو گئے۔ سب سے پہلے غسل کیا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا بچا ہوا پانی لے کر خیمے سے باہر آئے تو ایک ہجوم اس پانی کا منتظر تھا لوگ ان پر ٹوٹ پڑے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کو نظم وضبط کی تاکید کی جس کے ہاتھ جتنا پانی لگا لے لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیموں کے اندر آٹھ رکعت نفل ادا فرمائے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزمرہ کے لباس میں خیمہ سے باہر آئے خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ ایک چھڑی گاڑی ہوئی تھی۔ صفیں درست ہوئیں اور سب نے مل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں چھڑی کی سمت رخ کر کے شکرانے کے دو نفل ادا کئے۔ حضور پھر خیمے میں چلے گئے اور ایک گھنٹے بعد فوجی لباس میں خود اور زرہ بکتر پہنے تلوار لگائے باہر تشریف لائے اور قصویٰ پر سوار ہو گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اور خود کا مغفر

اوپر اٹھا ہوا تھا۔ اس کے بعد قصویٰ پر سوار ہو کر آپ کعبہ کے جنوب مشرقی گوشے پر پہنچے آپ ﷺ نے چھڑی کو حجر اسود سے لگا کر سلام کیا آپ ﷺ کے ساتھ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی اس کے بعد سب نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر اطراف کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں پر نظر ڈالی اور ان کی طرف چل پڑے۔ آپ ﷺ بتوں کو چھڑی سے گراتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے۔ "حق آ گیا ہے اور باطل مٹ گیا اور بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا"۔ آخر میں کعبہ کے سب سے بڑے بت ہبل کے پاس گئے اور اسے گرانے کا حکم دیا۔

پھر کوہِ صفا پر نصب اساف کے بت اور مروہ کی پہاڑی پر نصب نائلہ کے بت کو گرایا گیا۔ اس کے بعد سب بتوں کو نذر آتش کیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ گھروں میں رکھے ہوئے بت بھی لا کر جلا دیئے جائیں۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے آپ ﷺ مقام ابراہیم پر آئے۔ قصویٰ سے اتر کر دو نفل ادا کیئے۔ پھر پیدل چل کر چاہ زم زم پر گئے۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے پانی پیا اور ایک اعلان کے ذریعے زائرین کو پانی پلانے کی ذمہ داری بنو ہاشم کے سپرد کر دی۔ (کریگ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت (اردو صفحہ 417) میں مسلم شریف کے حوالے سے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کو اطراف و جوانب کے بتوں سے پاک کر دیا۔ اور آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کو طلب فرمایا اور ان سے چابی طلب فرمائی۔ یہ چابی عثمان کی ماں سلامہ بنت سعد کے پاس تھی۔ عثمان نے والدہ سے چابی مانگی تو اس نے انکار کر دیا اس پر عثمان نے کہا چابی دے دو ورنہ ابھی اپنی تلوار نکال لونگا اس طرح چابی لی اور آنحضرت ﷺ کے حوالے کر دی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کعبہ شریف کا دروازہ کھول دیا۔

(رواہ مسلم)

حضور اکرم ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ خانہ کعبہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دروازہ پر کھڑا کیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اندر آ گئے اور آنحضور ﷺ کے لئے دروازے کو بند کر دیا۔ مبادہ ہجوم ہو جائے آپ ﷺ طویل وقت تک کعبہ شریف کے اندر رہے۔ اور خانہ کعبہ کے کونوں میں دعا اور تضرع کرتے رہے پھر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ کہ خانہ کعبہ کے اندر باہر جو تصویریں اور تشبیہیں ہیں انہیں مٹا دیا جائے۔ یہ تصاویر انبیاء کرام اور ملائکہ کی تھیں۔ چنانچہ تمام تصاویریں اور تشبیہیں مٹا دیں۔ اس طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ہزاروں کے مجمع میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر جانے کا شرف حاصل ہوا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسری اور آخری دفعہ میں اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حجتہ الوداع پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر گئے تو خانہ کعبہ کی دیواریں اندر سے بالکل صاف تھیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ ﷺ کعبہ کا دروازہ کھول کر دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اور دونوں ہاتھوں سے دروازے کی چوکھٹے دونوں بازوں کو پکڑ لیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور لامتناہی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بعد ایک یادگار خطبہ دیا۔ قریش پورے حرم میں صف بستہ کھڑے تھے اور منتظر تھے کہ آپ ﷺ کیا کرنے والے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے قریشیو! تمہیں کیا توقع ہے کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ ﷺ سے اچھی امید رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کریم النفس شریف بھائی ہیں اور کریم و شریف بھائی کے فرزند ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ

أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ (یوسف)

''آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو''۔

شیخ محمد عبدالحق دہلوی مدارج النبوت (اردو صفحہ 475) میں راقم ہیں کہ جب خطبہ سے فراغت ہوئی تو آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں غسل کیا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: هذه سجته الضحى '(سجہ نماز نافلہ کو کہا جاتا ہے)

پھر آپ ﷺ اپنی قیام گاہ کی طرف چلے گئے راستے میں آپ ﷺ کی نظر شعب ابی طالب پر پڑی تو آپ ﷺ کو محنت و مشقت اور شدائد کے مناظر یاد آ گئے۔ جو تین سالہ عہد اور معاشرتی مقاطع کے دوران بنو ہاشم کو درپیش آئے تھے۔ اب آپ ﷺ مکہ کے فتح ہو جانے اور اعدائے دین پر غالب آ جانے پر اللہ کا شکر بجالائے نماز ظہر کا وقت ہوا تو سرور کائنات ﷺ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ کعبہ شریف کی چھت پر چڑھیں اور اذان دیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی کی تعمیل کے لئے باب ملتزم کے ساتھ چھت سے لٹکے ہوئے رسوں کے سہارے کعبہ کی دیوار پر چڑھے اور پھر آہستہ آہستہ چھت کی منڈیر تک پہنچ گئے اور منڈیر پکڑ کر چھت پر چڑھ گئے بلال حبشی رضی اللہ عنہ آج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے مرکز توحید سے اللہ وحدہ لاشریک کی کبریائی اور سید کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کی شہادت دینے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ حد نگاہ تک لوگوں کا جم غفیر تھا ہر طرف انسانوں کا انبوہ کثیر نظر آتا تھا۔ مکے کی شکل سامنے میز پر رکھے ہوئے پیالے جیسی ہے۔ درمیان میں خانہ کعبہ اور چاروں طرف پیالے کی دیواروں کی طرح اوپر جاتا ہوا پہاڑی سلسلہ جس پر شہر مکہ آباد ہے۔ کعبہ کی چھت پر کھڑا بلال رضی اللہ عنہ یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور اسے، ماضی کی یادوں کے مناظر دکھائی دیتے ہوں گے۔ صحن کعبہ کے علاوہ پہاڑوں پر لوگ جمع تھے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کی کوہ و دشت اور وادیاں نغمہ توحید سے گونج اٹھیں۔ اذان کے

الفاظ جب پہاڑوں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس موذن تک پہنچتے تو عجیب سا سماں پیدا ہوتا تھا۔ تمام کائنات امام المؤذنین کے ساتھ توصیف ربانی" شہادت رسالت اور دعوتِ صلوٰۃ میں شریک تھی۔ یہ وہی حرم مقدس تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اسلام کے معمار اول نے تعمیر کیا تھا۔ ہزاروں سال بت کدہ رہنے کے بعد آج پھر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے نغمہ توحید سے گونج رہا تھا۔ کس قدر نعمت عظیمہ تھی جو حضور اکرم ﷺ کے دامان اجلال کے دست ادراک میں آ گئی تھی۔ اور کس قدر سعید و شریف لمحات تھے اور کس قدر روح پرور یہ منظر تھا۔ یہ حقیقت اہل عرش سے دریافت کرنی چاہئے۔ کیوں کہ اذان کی آواز وہاں تک پہنچی ہوگی بلکہ اس سے بھی زیادہ اوپر گئی ہوگی۔ اس مقام پر اذان کے جو کلمات کہے گئے وہ بھی روایت کئے گئے ہیں۔ اے مالک الملک! اس مبارک وقت اور ساعت سعید کے طفیل مسلمانوں کو دین اسلام پر ثابت اور مستحکم رکھ اور اسلام کے کلمہ کی شہرت اور زیادہ فرما۔ آمین یارب العالمین۔ (ملاحظہ کیجئے باب الاذان بخاری شریف)

مسجد نبوی میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پہلی اذان کو اپنی مسجد کی تکمیل سے تعبیر کیا تھا اور آج خانہ کعبہ کی چھت سے ان کی اذان کو آپ ﷺ کل بنی نوع انسان کے لئے تطہیر کعبہ کا اعلان بنانا چاہتے تھے۔ اور یہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی معراج تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی یہ اذان اسلامی انقلاب کی کامیابی کا کھلا اعلان تھی۔ یہی وہ عظیم فتح تھی جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں فرمایا تھا۔ جو حدیبیہ سے واپسی کے راستے میں نازل ہوئی تھی۔ یہ وہی کامیابی تھی جس کی بشارت سفر ہجرت میں مدینہ جاتے ہوئے سورۃ القصص کی آیت میں دی گئی تھی۔ جب اذان ہو رہی تھی موذن رسول نے رسالت کی شہادت کے کلمات ادا کرتے وقت نبی کریم ﷺ کی طرف اشارہ کیا تو آپ کا سر تشکر سے جھکا ہوا تھا۔ اس بدر کامل کے گرد فرش کعبہ پر ستاروں کا ہجوم تھا جن میں نہایت روشن ستاروں کا ایک جھرمٹ حضور ﷺ کے ساتھ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر اور دیگر بڑے بڑے روشن ستارے

تھے۔عجیب چکا چوند کا عالم تھا جیسے فرش کعبہ پر کہکشاں اتر آئی ہو۔سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی آواز سن کر خالد بن اسید جو کہ عتاب بن اسید کا بھائی تھا،ابو جہل کا بھائی حارث بن ہشام اور حکم بن العاص کی طرح کے لوگ یاوہ گوئی کرنے لگے۔ایچ کے ایل گریگ کی تصنیف ''حضرت بلال رضی اللہ عنہ'' کے مترجم سلیم گیلانی نے صفحہ 231 پر تحریک کیا ہے عتاب بن اسید نے غضب کی آگ میں جل کر کہا۔

''شکر ہے میرا باپ آج زندہ نہیں ورنہ وہ برداشت نہ کر سکتا کہ اللہ کے گھر پر ایک حمار سیاہ یوں چڑھ کر رینگے''۔

ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی نے عاشق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے صفحہ 107 پر تحریر کیا ہے کہ ایک اور کافر نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ کو اس سیاہ فام حبشی کے سوا کوئی اور اذان دینے والا نہ ملا؟ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو نازل فرمایا اور حضور اکرم ﷺ کو کفار کی ان یاوہ گویوں سے مطلع کیا۔آنحضور ﷺ نے ان تمام کو بلوا کر جو کچھ انہوں نے کہا تھا بتادیا اس بات کی بنا پر ایک جماعت اسلام لے آئی مثلاً حارث بن ہشام اور عتاب بن اسید وغیرہ (مدارج النبوت)

حضور اکرم ﷺ نے جب عفو عام کا اعلان کیا تو سب سے پہلا شخص جس نے کھڑے ہو کر اعلان کیا:

''میں عتاب بن اسید ہوں آپ کا مشہور دشمن''۔

یہ کہتے ہوئے اس نے بلند آواز میں کلمۂ شہادت ادا کیا۔حضور اکرم ﷺ دشمن کے منہ سے ایمان کی شہادت سنی تو اعلان فرمایا:

''میں تمہیں مکہ کا حاکم مقرر کرتا ہوں''

چند لمحے پہلے جو شخص اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا صرف ایک کلمے کی برکت سے اسلام کے مفتوحہ شہر کا مختار کل حکمران بن گیا۔یہ تھا عفو و درگزر کا وہ عظیم درس جو ہادی برحق رحمت دو عالم ﷺ نے دنیاوی اور مادی مصلحتوں کے بری طرح جکڑی ہوئی انسانیت کو سکھایا۔

لیکن افسوس آج کے مسلمان نے سرور کائنات محسن انسانیت ﷺ کے عفوودرگزر کے اس انمول سبق کو فراموش کر دیا ہے اور مادی مصلحتوں میں اس قدر الجھ کر رہ گیا ہے کہ اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ اگر اسے کچھ یاد ہے تو صرف اتنا کہ مال وثروت کو اکٹھا کرلو باقی سب خیر ہے۔ احساس سودوزیاں کی اسے قطعاً پرواہ نہیں۔ حالانکہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عتاب ہی کیا۔ محسن انسانیت کی رحمت پایاں کا نفسیاتی اثر یہ ہوا کہ صرف ایک رات میں سارا شہر مکہ دولت ایمان سے مالا مال ہو گیا۔

اس موضوع پر لکھنے کے لئے میں نے رات کو سونے سے پہلے ہی اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ صبح اذان ہونے سے پہلے بیدار ہونگا اور جب صبح کی اذان ہوگی تو میں اس پر کیف فضا میں اپنا موضوع احاطہ تحریر میں لاؤں نگا۔ قدرت نے میری خواہش پوری کر دی۔ اس وقت جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا تھا۔ صبح کی اذان ہو رہی تھی اور میرے تصور میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وہ اذان تھی جو انہوں نے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر دی تھی اور وہی منظر جو اس وقت ان کے سامنے تھا۔ گونج اور گھوم رہا تھا۔ بڑا ہی سہانا اور پر کشش منظر تھا۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں

حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ مزنیہ سے تھا۔ آپ بچپن میں یتیم ہوگئے۔ تو آپ کے چچا آپ کے کفیل بنے۔ حضرت عبداللہ اسلام لانے سے پہلے غریب تھے۔ جب آپ جوان ہوگئے۔ تو آپ کے پاس بہت سے اونٹ بکریاں اور غلام تھے۔ آپ کے دل میں اسلام کی محبت تھی اور آپ مسلمان ہونے کے خواہشمند بھی تھے لیکن چچا کے ڈر سے اسلام نہیں لا سکتے تھے۔ جب مکہ فتح ہوا اور حضور اکرم ﷺ واپس مدینہ تشریف لائے تو عبداللہ نے اپنے چچا سے پوچھا اور کہا۔ اے چچا! میں نے ساری عمر انتظار کیا کہ تو اسلام لے آئیگا لیکن مجھے تمہارے اندر محمد ﷺ کی متابعت کا ذوق شوق دکھائی نہیں دیتا۔ اب مجھے اپنی عمر پر بھروسہ نہیں رہا۔ مجھے اجازت دیں تو میں اسلام قبول کرلوں۔ چچا نے کہا خدا کی قسم اگر تو نے محمد ﷺ کی متابعت اختیار کرلی تو جو کچھ میں نے تجھے اب تک دیا ہے سب کا سب واپس لے لوں گا۔ یہاں تک کہ جسم پر جو لباس ہے وہ بھی اتار لوں گا۔ عبداللہ نے کہا میں شرک و بت پرستی ترک کر کے اسلام قبول کرتا ہوں۔ میرے پاس جو مال و اسباب ہیں میں وہ سب چھوڑتا ہوں ویسے بھی تو آخری وقت پر سب کچھ چھوڑنا پڑیگا۔ میں اس مال و اسباب کی خاطر دین حق قبول کرنے سے نہیں رہ سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے سب کچھ چھوڑا یہاں تک کہ بدن کا لباس بھی اتار پھینکا اور اپنی ماں کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا میں شرک و بت پرستی سے بیزار ہوں اور دربار نبوی میں حاضر ہو کر مومن اور موحد بننے کی آرزو رکھتا ہوں۔ مجھے کپڑا دے دو جس سے اپنا ستر ڈھانپ سکوں۔ ماں نے اس کو چادر دی جس کے اس نے دو حصے کر لئے۔ ایک حصہ سے لنگی بنالی اور دوسرے کو چادر بنالیا اسی وجہ سے آپ ذوالبجادین مشہور ہوئے۔ اس کے بعد آپ بارگاہ رحمت دوعالم ﷺ میں حاضر ہوگئے۔ حضرت عبداللہ سحر کے وقت مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی میں ٹھہرے۔ حضور اکرم ﷺ

نماز کے لئے مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو آپ کی نگاہ مبارک عبداللہ پر پڑی تو پوچھا کہ کون ہے۔ عبداللہ نے جواب دیا۔ میں ایک فقیر اور مسافر ہوں اور آپ ﷺ کے جمال جہاں تاب کا عاشق ہوں میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔ رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ تمہارا لقب ذوالبجادین ہے (دو موٹی چادروں والا) تم میرے گھر کے قریب ہی میرے پاس رہا کرو۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ صفہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ یہاں رہ کر آپ قرآن پڑھا کرتے تھے۔ ان دنوں مسلمان لشکر تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ حضرت عبداللہ بہت اونچی آواز میں قرآن پڑھا کرتے تھے ان کی بلند آواز لوگوں کی نماز اور قرأت میں خلل ڈالتی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عمر: اس کو اس کے حال پر ہی چھوڑ دو کیونکہ یہ نکلا ہوا ہے اور خدا اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے والا ہے۔ لشکر اسلام جب تبوک کے لئے روانہ ہوا تو عبداللہ بھی حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور ﷺ میرے لئے دعا فرمایئے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ کسی درخت کی چھال۔ لے آؤ۔ حضرت عبداللہ کیکر کی چھال لے آئے آپ ﷺ نے وہ چھال ان کے بازو پر باندھی۔ اور ارشاد فرمایا! اے خدا میں اس کا خون کافروں پر حرام کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ۔ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو شہادت کا آرزومند ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس وقت تم اللہ کی راہ میں جہاد کی نیت سے نکل پڑے اور تم کو بخار چڑھ جائے اور بخار سے ہی تم دنیا سے رحلت کر جاؤ تو تم شہید ہو گے اور شہداء میں شمار ہو گا۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تبوک کی طرف متوجہ ہوئے تو وہاں پہنچ کر آرام کیا۔ وہاں آپ کو بخار ہو گیا اور بخار سے آپ نے وفات پائی۔ حضرت بلال بن حارث مزنی کا بیان ہے کہ رات کا وقت تھا۔ عبداللہ کو دفن کرنے کے لئے لے کر گئے میں نے سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ میں ایک چراغ اٹھائے ہوئے ہیں اور سید دو عالم ﷺ عبداللہ کی قبر میں تشریف فرما ہیں جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں قبر میں اتارنے والے تھے اور

حضور اکرم ﷺ فرما رہے تھے اپنے بھائی کو عزت سے لاؤ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کی لحد کو کچی اینٹوں سے بند کر دیا اس کے بعد دعا فرمائی:

اے خدا! یہ آدمی شب و روز میری خدمت میں معروف رہا ہے میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کاش اس قبر والے کی بجائے میں ہوتا (مدارج النبوت صفحہ 60_563) لشکر تبوک کی روانگی کے وقت سواری کے جانوروں کی زبردست کمی تھی اور وسائل کی بھی۔ بعض صحابہ کرام جو جہاد میں شرکت کے لئے بے تاب تھے بڑے مایوس ہوئے اور انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے سواری کی دستیابی کے لئے درخواست کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میرے ساتھی دوسرے ہم عصروں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ میں ان کے لئے سواری حاصل کرلوں۔ پس میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ان کے لئے آپ ﷺ سواری عطا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں ان کے لئے سواری کا انتظام نہیں کر سکتا۔ میں غمگین واپس لوٹا اور مجھے خوف لاحق ہوا کہ حضور اکرم ﷺ میرے سواری طلب کرنے سے دل گیری محسوس نہ ہوں لہٰذا آپ ﷺ میرے ساتھ ناراض نہ ہو چکے ہوں پھر میں نے اپنے ساتھیوں کے پاس آ کر ان کو حضور اکرم ﷺ کے جواب سے مطلع کیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دیتے ہوئے سنا آپ کہہ رہے تھے عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ کا اصل نام) کہاں ہیں؟ میں نے جواب دیا میں اس جگہ ہوں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ تم کو رسول اللہ ﷺ نے طلب فرمایا ہے حاضر ہو جاؤ۔ پس میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہو گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ چھ اونٹ لے لو اور اپنے ساتھیوں کو دے دو یہ سعد سے خریدے ہیں۔ میں نے یہ چھ اونٹ اپنے ساتھیوں کو دے دیئے۔

غزوہ تبوک اور کھانے میں برکت

ڈاکٹر سید عامر گیلانی نے "عاشق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ" کے صفحہ ۱۰۴ پر لکھا ہے کہ بنی سعد بن ہذیم کے ایک شخص کا کہنا ہے کہ میں غزوہ تبوک میں حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے درمیان تشریف فرما تھے میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا فرمایا:

بیٹھ جاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ!

اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد انک رسول اللّٰہ

آپ ﷺ نے فرمایا **افلح وجھک** اس کے بعد ارشاد ہوا۔ اے بلال رضی اللہ عنہ اس کے لئے کھانا لاؤ۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے چڑے کا دستر خوان بچھایا اور قدرے خرما روغن ملا لائے اور دستر خوان پر رکھ دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "کھاؤ" ہم نے اس قدر کھایا کہ سیر ہو گئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں تنہا اس طعام کو کھاتا تو میرا پیٹ نہ بھرتا۔ کیا بات کہ اب ہم تمام کا پیٹ بھر گیا ہے۔

فرمایا

الکافر یا کل فی سبعة اقعا والمومن یا کل فی معا

اگلے روز بوقت چاشت میں پھر گیا تا کہ کوئی ایسی چیز دیکھوں جو میرے یقین کی زیادتی کا سبب ہے میں نے دیکھا کہ دس اشخاص آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہیں فرمایا:

"بلال رضی اللہ عنہ" ہمیں کھانا دو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک مٹھی کھجوریں تھیلے سے نکالیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَخْرِجْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْتَادًا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تمام کھجوریں تھیلے سے نکال کر دستر خوان پر رکھ دیں۔
آپ ﷺ نے ان کھجوروں پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کھائیں۔ مجھے کھجوروں سے بڑی رغبت تھی۔ میں نے اس قدر کھائیں کہ گنجائش باقی نہ رہی جب میں نے دستر خوان کی طرف دیکھا تو اس پر اس مقدار میں کھجوریں موجود تھیں کہ گویا ان میں سے ایک کھجور بھی نہ کھائی گئی ہو۔ تین روز تک اسی طرح میں سرکار ﷺ کی محفل کا مشاہدہ کرتا رہا۔ (بحوالہ مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۵۱۲)

وصال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ

موت برحق ہے اور قدرت کا اٹل فیصلہ ہے۔ اور پھر ہر انسان کی موت اپنی ہوتی ہے کسی کی موت میں کسی اور کی شرکت ناممکن ہے۔ ہر ذی روح پر موت ایک بار ضرور وارد ہوتی ہے اس سے فرار ناممکن ہے۔ صالحین ہوں یا انبیاء کرام یا پھر عام آدمی موت کا مزہ سب نے چکھا اور سب نے چکھنا ہے۔

جب دین منتہائے کمال کو پہنچ گیا تو حجتہ الوداع کے موقعہ پر خطبہ الوداع کے بعد تکمیل دین کی بشارت دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ:3)

"(اور) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے لئے دین کو اسلام پسند کیا"۔

یہ آیت نہ صرف تکمیل دین کی کھلی بشارت تھی بلکہ اس امر کی طرف بھی اشارہ تھا کہ نبوت کا فریضہ ادا ہو چکا۔ امانت الٰہی بلا کم وکاست پہنچا دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ دیر اس دنیا میں نہیں رہیں گے۔ خطبۃ الوداع اور خطبہ غدیر خم میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ ہوسکتا ہے اس کے بعد اس موقع پر میں آپ لوگوں سے نہ مل سکوں۔ ان اشارات سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال قریب ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم آب وگل چھوڑنے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا زیادہ وقت ذکر وعبادت میں گزارنے لگے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؁ (والضحیٰ) (درحقیقت اب آخرت تمہارے لئے بہتر ہے) یہ آیت کریمہ اس بات کی مظہر تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کا وقت قریب آ پہنچا۔ چنانچہ

حضور اکرم ﷺ صفر ۱۱ھ (اپریل ۶۲۴ء) آپ ﷺ احد تشریف لے گئے اور احد کے گنج شہدا پر نماز ادا کی۔ ان کے لئے دعائے خیر کی اور وہاں سے واپس آ کر ایک مختصر سا خطبہ دیا۔

"لوگو! میں تم سے آگے جانے والا ہوں اور تمہاری شہادت دینے والا ہوں واللہ میں حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے سلطنتوں کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ (یعنی دعوت حق کے نتیجہ میں مختلف ممالک فتح ہونے والے ہیں) مجھے یہ ڈر نہیں رہا کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔ البتہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ دنیاوی مفاد کی کشمکش میں نہ پڑ جاؤ۔ آپس میں خون ریزی نہ کرنے لگ جاؤ اور اس طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ (بخاری شریف کتاب المغازی و مسلم کتاب الفضائل)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات حضور اکرم ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے اور میں سوئی ہوئی تھی جب بیدار ہوئی تو دیکھا آپ ﷺ اپنے بستر پر نہیں تھے۔ پس میں آپ ﷺ کے پیچھے باہر روانہ ہوئی دیکھا کہ آپ ﷺ قبرستان بقیع میں آئے ہیں اور دعا پڑھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ میرے گھر سے باہر آئے اور میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے اس غیرت سے چلی کہ شاید آپ ﷺ کسی دوسری بیوی کے گھر جاتے ہیں یہاں تک کہ آپ ﷺ بقیع میں آئے اور بڑی دیر تک کھڑے رہے اور تین بار اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ اور لوٹ آئے میں بھی واپس لوٹ آئی اور آپ ﷺ کے پہنچنے سے قبل ہی میں اپنے گھر میں پہنچ گئی اور لیٹ گئی۔ آپ ﷺ اندر آئے جب مجھے اضطراب کی حالت میں دیکھا تو پوچھا اے عائشہ رضی اللہ عنہا تمہارا کیا حال ہے؟ اور تجھے کیا ہوا ہے کہ مضطرب نظر آتی ہو؟ میں نے صورتحال عرض کی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سایہ جو میں نے اپنے آگے دیکھا تھا۔ شاید وہ تم تھیں میں نے کہا ہاں! یا رسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک نرمی سے میرے سینے

پر رکھا اور فرمایا کہ تم گمان کرتی ہو کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کرنے والے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ! خدا تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اس طرح سے جیسے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ لیکن مجھے معذور سمجھیں بشری جبلت کی حامل ہوں۔ اور آپ ﷺ کے غلام ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شب کو نصف رات کے وقت مجھے بیدار کیا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اہل بقیع پر جاؤ اور ان کے لئے دعائے مغفرت طلب کروں۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے ہمراہ لیا۔ اور اہل بقیع پر آئے وہاں کھڑے ہو کر طویل وقت تک استغفار کرتے رہے دعا کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابی مویہبہ! میرے سامنے خزائن دنیا کی چابیاں پیش کی گئی ہیں اور مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ میں دنیا میں باقی رہوں اور ہمیشہ رہوں حتیٰ کہ میں جنت میں مراتب و درجات پاؤں یا لقائے پروردگار کا شرف حاصل کروں اور جلدی کروں میں نے القائے پروردگار کے لئے جلدی کی ہے۔

جنت البقیع سے واپسی پر آپ ﷺ کے سر مبارک میں خفیف سا درد شروع ہوا۔ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں قیام فرما ہوئے ۲۹ صفر کو آپ ﷺ نے ایک جنازے میں شرکت فرمائی واپسی پر آپ ﷺ کو شدید بخار ہو گیا اور اس مرض کا آغاز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا۔ اس حالت میں بھی آپ ﷺ باری باری ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض شدت اختیار کر گیا تو آپ ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا کہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ مرض کی حالت میں تمہارے گھروں کا دورہ کروں اگر تم چاہو تو مجھے اجازت دے دو کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ہی رہوں اور وہاں تم میری تیمارداری کیا کرو۔ تمام ازواج مطہرات راضی ہو گئی۔

آپ ﷺ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے اہل بیت (فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے باہر نکلے سر اقدس پر پٹی باندھ رکھی تھی آپ ﷺ کے دونوں پاؤں زمین پر گھسیٹتے تھے اس طرح آپ کو اٹھا کر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر لائے بس آپ ﷺ وصال کے آخری لمحات تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام پذیر رہے اور وفات پائی۔

(تاریخ ابن کثیر المعروف البدایہ والنہایہ ص ۳۹۳ ج ۶۔ ۵)

نبی مکرم ﷺ کا مرض بڑھ گیا۔ آپ ﷺ مضطرب تھے اور بے قراری میں بستر پر یکے بعد دیگرے پہلو بدلتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہم میں سے کسی کو ایسی حالت کا سامنا ہو تو آپ ﷺ اسے برا خیال کرتے اور غصے میں آتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا میرا مرض نہایت سخت ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالحین پر سخت مصیبت بھیجتا ہے اور کوئی مومن ایسا نہیں ہوتا کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے بلا اور ایذا نہ بھیجے حتیٰ کہ ایک کانٹا بھی اس کے پاؤں میں جو چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کے گناہوں کو مٹاتا ہے۔ (مدارج النبوت ص ۲۶۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا کہ جس کی بیماری رسول اللہ ﷺ کی بیماری سے زیادہ شدید ہو اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو قطیفہ میں لیٹے ہوئے دیکھا اور قطیفہ سے اوپر میں بخار کی حدت محسوس کر رہا تھا کہ مجھ سے برداشت نہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر ہاتھ رکھوں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء کرام سے بڑھ کر کبھی کسی کو مصیبت و اذیت زیادہ شدید نہیں آئی۔ بے شک ان کے مصائب دگنے ہوتے ہیں اور اجر و ثواب بھی انہیں دگنا ہے۔

سلیم گیلانی مترجم "حضرت بلال" مصنفہ (H.K.L Crage) نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسب معمول انہیں (آپ ﷺ) بیدار کیا وہ باہر تشریف لائے مگر ان کی حرکات و سکنات میں روزمرہ جیسی چستی نہیں تھی۔ سر درد کی شکایت کر رہے تھے۔ مجھے کہا میں ان کی پیشانی پر ہاتھ

رکھوں اور دیکھوں کہیں انہیں بخار تو نہیں۔ میں نے عرض کی پیشانی گرم ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرمائیں لیکن انہوں نے میرے ساتھ مسجد جانے پر اصرار کیا چلنے لگے تو نقاہت محسوس کر رہے تھے۔ میرا بازو تھام لیا میں انہیں اپنے ساتھ لگا کر چلنے لگا چلتے چلتے وہ اچانک رک گئے اور کہنے لگے۔

"بلال رضی اللہ عنہ تمہیں یاد ہے جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی اس دن بھی ہم ایسے ہی چل رہے تھے۔ لیکن اس دن میں نے تمہیں سہارا دیا ہوا تھا"۔

یہ کہہ کر آپ ﷺ مسکرائے۔ میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا!

"بائیس سال پہلے کی بات ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"نہیں بلال رضی اللہ عنہ کل کی بات ہے"۔

یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ سارا دن بخار تیز ہوتا گیا، دوسرے دن صبح اور بھی زیادہ مگر آپ ﷺ پھر بھی بستر سے اٹھے اور اپنی آواز کی نقاہت اور ہاتھوں کی لرزش کے باوجود امامت فرمائی۔ تیسرے اور چوتھے روز بھی صورتحال ایسی ہی رہی پانچویں دن جب میں نے صبح دروازے پر دستک دی تو دروازہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کھولا چہرے پر بہت پریشانی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے ایک بالٹی دی اور ٹھنڈا پانی لانے کے لئے کہا۔ میں بالٹی لیتے ہی دوڑ پڑا۔ ایک کنواں دوسرا کنواں تیسرا چوتھا چھوڑتا ہوا میں اس کنوئیں پر پہنچ گیا جس کا پانی مدینے میں سب سے ٹھنڈا تھا۔ بالٹی رسی سے باندھ کر جلدی سے کنوئیں میں ڈالی تو کنوئیں کی تہہ میں ایک چھپاکا ہوا مجھے آواز آج بھی یاد ہے۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اس پانی کی ٹھنڈک فوراً ہی حضور ﷺ کے جسم کی حدت ختم کر دے گی۔ پانی لے کر جلدی سے واپس آیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کیا میرے پاس اتنا ہی وقت تھا کیوں کہ دن چڑھنے سے پہلے مجھے اپنے فرض سے سبکدوش ہونا تھا۔ میں جانتا تھا اگر حضور ﷺ کے کانوں میں اذان کی آواز نہ پڑی تو وہ اپنی بیماری کی

تکلیف سے بھی زیادہ تکلیف محسوس کریں گے۔

اذان دے کر میں نے پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے پر دستک دی چہرے کی پریشانی کچھ کم تھی میرے دل کو بھی ذرا اطمینان ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لئے پیغام دیا ہے کہ آج سے بہتر اذان تم نے کبھی نہیں دی۔

دو دن تک آپ ﷺ پر غشی کے دورے پڑتے رہے۔ کبھی ہوش بھی آ جاتا۔ میں اس عرصہ میں آپ ﷺ کی چوکھٹ پر بیٹھا رہتا جب مجھے پانی لانے کو کہا جاتا تو میں دوڑ پڑتا میرا ہر قدم ان کی بیماری دور کر رہا تھا۔ یہ میں نہیں جانتا تھا کہ ہر قدم پر منزل دور ہوتی جا رہی ہے۔ میں ہر دفعہ ایک نئے کنوئیں سے پانی لاتا اس خیال سے کہ اگر ایک کنوئیں کے پانی سے بیماری دور نہیں ہوئی تو شاید دوسرے کنوئیں کے پانی میں ایسی تاثیر ہو جس سے افاقہ ہو اس طرح ایک ایک کر کے میں نے مدینے کے سات کنوؤں کا پانی لا کر دیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ پانی سات الگ الگ برتنوں میں رکھ لیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باری باری ان میں کپڑا بھگو کر حضور ﷺ کے بدن پر رکھتیں تاکہ بخار کی حدت کم ہو۔

(ایچ ایل کریگ)

علامہ حافظ ابوالفدا اعماد الدین ابن کثیر دمشقی نے البدایہ والنہایہ جلد پنجم (اردو) صفحہ ۳۹۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ کا درد شدت اختیار کر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر ایسے مشکیزے ڈالو جس کے ڈاٹ کھلے ہوئے ہوں تاکہ میں لوگوں کو وصیت کروں پس ہم نے آپ ﷺ کی بیوی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لگن میں بٹھا دیا اور پھر ہم ان سات مشکیزوں سے آپ ﷺ پر پانی ڈالنے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگے، کہ تم نے کام کر دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ لوگوں کے پاس چلے گئے اور انہیں نماز پڑھائی اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۷۶۹ پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی راقم ہیں کہ سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ جب سونے کا وقت ہوتا تھا تو حضور اکرم ﷺ سورۂ اخلاص سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم فرما لیتے تھے اس کے بعد تمام جسم پر جہاں تک کہ ہاتھ پہنچ سکیں مسح فرماتے تھے۔(الحدیث) سر مبارک اور سینہ سے مسح فرمانا شروع کرتے تھے ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ جب کبھی بیمار پڑتے تو اسی طرح ہی کیا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ مرض الوصال میں مبتلا ہوئے تھے تو میں نے آنحضرت ﷺ کے معمول شریف کے مطابق معوذتین کی تلاوت کر کے آپ ﷺ پر دم کیا اور ہاتھ سے مسح بھی کیا ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے مسح کیا یعنی آنحضور ﷺ کے ہاتھ مبارک کی وصولی عظیم تر برکت تھی بہ نسبت میرے ہاتھ کی برکت سے۔امام بخاری نے عبداللہ بن یوسف سے انہوں نے ابن الہاد سے انہوں نے عبد الرحمٰن قاسم عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ کی وفات میری ٹھوڑی اور سینہ کے درمیان ہوئی اور میں حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کے لئے موت کی شدت کو ناپسند نہیں کرتی۔علامہ حافظ ابوالفداء عمادالدین بن کثیر دمشقی تاریخ ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۳۹۵ پر بخاری شریف کے حوالے سے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت رقم کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی وفات اس روز ہوئی جس روز میرے گھر آپ ﷺ کی باری تھی اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دی کہ آپ ﷺ کا سر مبارک میرے سینے اور ٹھوڑی کے درمیان تھا اور آپ ﷺ کا لعاب دہن میرے لعاب دہن سے مخلوط ہو چکا تھا۔آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آئے تو ان کے پاس مسواک تھی جس سے وہ دانتوں کو مسواک کر رہے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا تو میں نے انہیں کہا۔اے عبدالرحمٰن مجھے یہ مسواک دے دیجئے تو انہوں نے مسواک مجھے دی دی۔تو میں نے اسے دانتوں سے کاٹا اور چبایا اور رسول اللہ ﷺ کو دے دی۔تو آپ ﷺ نے

میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے اس سے مسواک کی۔(بخاری شریف)

مدارج النبوت از شیخ عبدالحق دہلوی (اردو) صفحہ ۱۷۶ پر رقم ہے کہ مرض الموت کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے شدت مرض کے وقت سیدہ فاطمہ الزاہرہ رضی اللہ عنہا کو طلب فرمایا۔اور جب وہ آپ ﷺ کے قریب آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اے میری بیٹی مرحبا اور ان کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔

اور حضور اکرم ﷺ کی حالت صحت میں یہ معمول تھا کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آتے دیکھتے تھے تو کھڑے ہو جاتے تھے استقبال کرتے تھے۔اور ان کو بوسہ دیتے تھے اور اپنی جائے نشست پر بٹھاتے تھے۔پس آپ ﷺ نے ان کے کان میں کچھ فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہا رو پڑیں۔اس کے بعد پھر اسی طرح آپ ﷺ نے کان میں کچھ فرمایا تو سیدہ خوش ہوئیں اور ہنسنے لگیں۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا کوئی غم میں نے خوشی سے متصل و مقارن نہیں دیکھا۔جیسے کہ میں نے آج دیکھا ہے اس کا سبب کیا ہے؟

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راز ہے۔جس کا میں اظہار نہیں کر سکتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ راز فاش نہ کیا یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے وصال فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد دوبارہ میں نے اس راز کے متعلق پوچھا کہ وہ کیا بات تھی جو حضور اکرم ﷺ نے فرمائی تھی۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلی بار نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہر سال جبریل علیہ السلام صرف ایک بار میرے ساتھ یہاں آ کر قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔لیکن اس سال دو بار دور قرآن کیا ہے میرا خیال ہے کہ میرے وصال کا وقت نزدیک ہے۔جس کے باعث جبریل علیہ السلام نے قرآن پاک کی تلاوت کے لئے اس قدر اہتمام کیا ہے میں نے یہ سنا تو رونا شروع کر دیا۔دوسری مرتبہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی

اس بشارت سے میں ہنسنے لگی۔ اور یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ اہل بہشت کی عورتوں کی سردار تم ہو گی۔

اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے دوران مرض صرف تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ پھر حکم دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہیں کہ وہ نماز پڑھائیں اور بعض سترہ نمازیں بھی بتاتے ہیں اور جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ عشاء کی اذان دے چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں اور ان کی امامت کریں زہری سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عبداللہ بن ذمعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ باہر نکلیں اور لوگوں سے کہیں کہ وہ نماز پڑھیں عبداللہ باہر نکلے تو انہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت صحابہ کی ملی جن میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ تھے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں انہوں نے نماز پڑھائی وہ بلند آواز تھے آپ ﷺ نے ان کی آواز سنی تو فرمایا خدا نے اس سے منع فرمایا ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایام مرض میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور حضور اکرم ﷺ کے دروازے پر حاضر ہوئے اور عرض کیا السلام علیک یارسول اللہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔ رسول اکرم ﷺ نے حکم فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پس سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے اور فریاد بلند کرتے ہوئے باہر آئے۔ ان کو فریاد امید ٹوٹ جانے اور کمر شکست ہو جانے سے تھی۔

"کاش کہ میری ماں مجھے نہ جنتی اور اگر پیدا ہوا ہی تھا تو کاش مر جاتا اس دن سے پہلے ہی اور پیغمبر خدا سے یہ حال نہ دیکھتا"۔ پس سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسجد کو رسول اللہ ﷺ سے خالی دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے نرم دل تھے۔ بڑے اندوہ گیں ہوئے۔

یہاں تک کہ بے ہوش ہوکر منہ کے بل گر پڑے صحابہ رونے لگے اور فریاد کرنے لگے۔

نبی محترم ﷺ کے گوش مبارک میں آواز پڑی تو فرمایا!

اے فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ رونے اور فریاد کرنے کی آواز کیسی ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

کہ یہ آواز مسلمانوں کی ہے وہ روتے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کیوں کہ آپ ﷺ انہیں مسجد میں دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ پس آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان پر سہارا لیتے ہوئے باہر مسجد میں تشریف لائے۔ اور نماز پڑھائی اور فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت تم اللہ کی وداع، اس کی پناہ اور اس کی حفاظت نصرت اور تائید میں ہو۔ تمہاری حفاظت اطاعت اور تقویٰ میں اللہ ہی ہے۔ تحقیق میں دنیا چھوڑ رہا ہوں۔ (مدارج النبوت جلد دوم ص ۶۷۷)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ شدت مرض کے باعث مسجد میں تشریف نہیں لا سکتے تھے عشاء کی نماز کا وقت تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں جمع تھے اور آپ ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ نماز پڑھی گئی ہے؟

لوگوں نے جواب دیا آپ ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں۔

ارشاد ہوا ٹب میں پانی رکھ دو آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور بے ہوش ہو گئے پھر اس طرح تین بار اٹھے اور تین بار غسل فرمایا اور بے ہوش ہو جاتے۔ ذرا ہوش میں آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ وہ نماز پڑھائیں۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ نے سات مشکیزہ پانی سے غسل فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (اردو ترجمہ موسوم بہ تاریخ ابن کثیر ص ۴۰۵) میں الفاظ کے اختلاف سے بیان کی ہے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کو نماز کے لئے عرض کیا جیسا کہ ان کا

معمول تھا کہ اذان دے کر دربار نبوی میں حاضر ہوتے تھے اور نماز کے لئے عرض کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسجد میں جمع ہونے کا پتہ دیا کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے گزارش کی کہ میرے ابا جان رقیق القلب ہیں وہ جس وقت آپ ﷺ کے مصلیٰ پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرآن کی تلاوت نہیں سنا سکیں گے آپ ﷺ اگر عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرما دیں تو یہ کام ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ ﷺ سے عرض کریں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے رقیق القلب ہونے کی بنا پر لوگوں کو قرآن نہ سنا سکیں گے پس آپ ﷺ نے فرمایا اے عورتو! تم یوسف علیہ السلام کی مصاحب ہو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے ممکن ہے انہوں نے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام پہنچایا ہو چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانا شروع کی۔

نماز ظہر کے وقت طبیعت کو کچھ سکون ہوا تو آپ ﷺ نے غسل فرمایا سر پر پٹی باندھی اور دو آدمیوں کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے آپ ﷺ کی آہٹ پا کر انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر ہی رہو اب حضور اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دائیں آئے اور بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہی رہے۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی اقتدا کرتے تھے اور نبی رحمت مقتدی تھے۔ مراد یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے افعال و انتقالات کی مطابقت میں تکبیر بلند کرتے تھے اور لوگوں کو خبر ہو جاتی تھی۔

متعدد روایات میں آیا ہے کہ امام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور حضور اکرم ﷺ ان کی اقتدا کر رہے تھے۔ علماء کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر مشتمل متعدد

احادیث ہیں۔نماز سے فارغ ہو کر اگلی صبح کو بارگاہ نبوی میں حاضر ہونے کی اجازت لے کر مقام سخ پر اپنے گھر چلے گئے۔(مدارج النبوت ص ۶۷۸)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے امت میں کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی سوائے ایک دفعہ کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور ایک مرتبہ ایک رکعت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے۔

ہوا یہ کہ سفر تبوک کے دوران حضور اکرم ﷺ رفع حاجت کے لئے چلے گئے تھے امامت نماز کا وقت نکلا جا رہا تھا آپ ﷺ دیر سے تشریف لائے حضور اکرم ﷺ کو وضو کرنے میں دیر ہو گئی تھی اور نماز کا وقت نکلا جا رہا تھا چنانچہ لوگوں نے نماز قضا ہو جانے کے خوف سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے کہا ابھی انہوں نے ایک ہی رکعت پڑھائی تھی کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انہیں جگہ دینی چاہی مگر اس دن بھی حضور ﷺ نے انہیں اشارے سے روک دیا۔اور ان کی امامت میں نماز ادا کی۔سب کے اسلام پھیر لینے کے بعد انہوں نے اپنی ایک رکعت ادا کی۔نماز پڑھ کر انہوں نے فرمایا۔

"آپ لوگوں نے اچھا کیا کہ ابن عوف کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ ہر نبی کو اپنی موت سے پہلے کم از کم ایک نماز اپنے کسی متقی پیروکار کی امامت میں ادا کرنا ہوتی ہے"۔

حضور اکرم ﷺ کی مرض کا آٹھواں دن تھا اس دن مسجد نبوی میں واقعہ دہرایا گیا تو دو سال پہلے کے آپ ﷺ کے الفاظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو یاد آ گئے خصوصاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کا دل بیٹھ گیا۔ ہر ایک کا رنگ اڑا ہوا تھا۔اس رات جب تاریکی گہری ہو گئی تو حضور اکرم ﷺ نے جنت البقیع جانے کا ارادہ فرمایا تو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہو لئے تا کہ ضعف کی وجہ سے کہیں آپ ﷺ گر نہ پڑیں۔مگر آپ ﷺ کے قدم مضبوطی سے پڑ رہے تھے۔چلتے چلتے آپ ﷺ قبروں تک پہنچ گئے اور بلند آواز میں فرمانے لگے۔

"اے قبر کے رہنے والو تمہیں سلام"۔
خوشی مناؤ کہ تم زندہ لوگوں سے بہتر ہو۔
وہ صبح جو تمہیں جگاتی ہے اس صبح سے بہتر ہے جو زندہ لوگوں کو جگاتی ہے۔ آپ ﷺ جنت البقیع سے واپس گھر تشریف لائے تو۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ گھر میں کتنی رقم ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "سات دینار"۔
حضور ﷺ نے فرمایا! انہیں بھی خیرات کر دو میں رقم کے ساتھ اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ (کرنیگ حضرت بلال صفحہ ۲۵۷)

مدارج النبوت (صفحہ ۶۸۱) میں رقم ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت گزاری کے باعث یہ رقم خیرات نہ کر سکیں۔ حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا اور ہر مرتبہ بے ہوش ہو جاتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مصروف ہو جاتی تھیں۔ پس وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج دیئے کہ وہ خرچ کر دیں اور آپ ﷺ پھر بے ہوش ہو گئے پھر ہوش میں آئے تو پوچھا کیا تو نے وہ صدقہ کر دیئے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا میں نے ابھی نہیں کئے ہیں پس وہ واپس منگوائے اور وہ سونے کے پترے آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں لے لئے اور فرمایا کہ تمہارا کیا گمان ہے کہ میں (محمد ﷺ) اپنے پروردگار سے ملوں گا تو یہ سونے کے پترے بھی میرے پاس ہی ہوں گے (بحوالہ الہی)

اس شب (سوموار کی رات) کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری عورت کے گھر سے چراغ جلانے کے لئے تیل مستعار لیا کیونکہ حضور اکرم ﷺ پر نزع کا عالم تھا اور گھر میں کچھ نہ تھا جو کچھ تھا وہ صدقہ کر دیا گیا تھا۔ اس واقعہ میں ان دنیا پرستوں اور گھروں میں حرام مال جمع کرنے والوں کے لئے ایک سبق ہے۔ جو ایک طرف دنیا کا مال و متاع جمع کرنے میں مصروف ہیں اور دوسری طرف خدا اور اس کی محبت اور اتباع کے دعویدار ہیں۔
مرض بڑھتا گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی بے قراری میں اضافہ ہوتا چلا گیا کہ اگر

حضور اکرم ﷺ انتقال کر گئے تو ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو حضور اکرم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لائے اور منبر شریف کی پہلی سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ سر پر کپڑا باندھا پس لوگ وہاں جمع ہو گئے تو فرمایا لوگو میں نے سنا ہے تم کو میری موت کا خدشہ ہے۔ گویا تم میری موت کے منکر ہو۔ کس سبب سے تم اپنے پیغمبر کی موت کا انکار کرتے ہو۔ فرمایا کہ کوئی پیغمبر ہمیشہ اپنی قوم میں نہیں رہا اور تم چاہتے ہو کہ میں ہمیشہ رہوں گا۔ آگاہ رہو کہ میں نے اور آپ سب نے اللہ کے پاس واپس جانا ہے۔

پھر مہاجرین کو نیکی بجالانے کی ہدایت فرمائی اور پھر اس کے بعد انصار کے بارے میں متعدد ارشادات فرمائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ قریش کی شان میں بھی وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا الائمتہ من قریش اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ لوگوں کو آواز دے دو کہ وہ جمع ہو جائیں۔ تا کہ ان کو وصیت کروں اور کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت ہے۔ پس سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے حکم کے مطابق عمل کیا اور مدینہ شریف کے بازاروں میں اعلان کر دیا۔ یہ اعلان سن کر لوگ گھروں اور دکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ کر مسجد میں جمع ہو گئے یہاں تک کہ بیٹیاں اور دوشیزائیں اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں۔ مسجد میں ان کا سمانا مشکل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے مناسب حال احکام و شرائع، مواعظ و پند و نصائح اور آداب پر مبنی ایک بلیغ اور طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔

جس روز آپ ﷺ نے وصال فرمایا اس دن حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا مسجد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ فجر کی نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ دروازے پر کھڑے رہے اور آپ ﷺ کی نظر مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پر لگی ہوئی تھی۔ بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا چہرہ اقدس یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مصحف کا ایک ورق ہو۔ آپ

ﷺ متبسم ہوئے آپ ﷺ کو دروازے پر کھڑے دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو گمان ہوا کہ شاید آپ ﷺ باہر تشریف فرما ہو رہے ہیں۔ لہٰذا وہ بہت خوش ہوئے اور خواہش کرنے لگے کہ آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف فرما ہوں۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ جانا چاہا لیکن سید عالم ﷺ نے بجانب صحابہ اشارہ فرمایا کہ وہ سب اپنی جگہ پر قائم رہیں اور نماز مکمل کریں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پردہ چھوڑ دیا اور اسی روز آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

آپ ﷺ کو سکرات موت اور اس کی شدت کا احساس ہونے لگا۔ آپ ﷺ کے پاس پانی سے بھرا ہوا پیالہ پڑا تھا۔ آپ ﷺ اس میں اپنا ہاتھ ڈالتے اور تر کر کے اپنے چہرہ انور پر اس سے مسح فرماتے۔ آپ ﷺ کا رنگ کبھی سرخ ہو جاتا اور کبھی زرد۔ آپ ﷺ کبھی دایاں ہاتھ اور کبھی بایاں ہاتھ کھینچتے تھے اور آپ ﷺ کے رخسار پر انوار پر پسینہ آیا ہوا تھا۔ ان ہی لمحات میں آپ ﷺ نے مسواک فرمائی جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے رسول کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر کلمات تھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَالْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى

پھر آپ ﷺ کا جسم ڈھیلا پڑنے لگا آپ ﷺ اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ لٹک گئے، آنکھوں کی پتلیاں اوپر کو اٹھ گئیں۔ جسم اطہر سے روح انور پرواز کر گئی یہ چاشت کا وقت تھا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دوشنبہ (پیر) کا دن۔ عمر شریف تریسٹھ سال چار دن۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب روح مطہر جدا ہوئی تو میں نے اتنی خوشبو محسوس کی اتنی اچھی خوشبو اس کی مثل کبھی نہ سونگھی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ میری گود میں تھے میں نے آپ ﷺ کا سر مبارک تکیہ پر رکھ دیا اور یمنی مخطط چادر اوڑھا دی۔ سیدہ ام سلمٰی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا جس دن انہوں نے رحلت فرمائی

اس کے بعد چند لمحے گزر گئے روٹی کھاتی تھی۔ وضو بھی کرتی تھی لیکن خوشبو میرے ہاتھ سے ختم نہ ہوئی تھی۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ روح فرسا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا آپ ﷺ اس دوران در نبوی پر سر جھکائے بیٹھے تھے اور جب حجرہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رونے کی آواز سنائی دی تو وہاں پر موجود سب لوگ رونے لگے۔ مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ تاریک اور وحشت ناک دن، سب سے بڑا صدمہ، ابتلا اور پوری انسانیت کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ جس طرح آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن انسانیت کا سب سے مبارک روشن اور تابناک دن تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن رسول کریم ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے تو مدینہ کی ہر چیز آپ ﷺ کی آمد سے روشن اور منور ہو گئی تھی اور جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس دن اس کی ہر چیز تاریک ہو گئی تھی (نبی رحمت ص ۱۵۷ حصہ دوم)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے نبی مکرم ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان اپنا ہاتھ داخل کیا تو ان کی مہر نبوت کو محسوس نہ کیا پس وہ بلند آواز میں کہنے لگی کہ مہر نبوت کو اٹھا لیا گیا ہے۔ (مدارج النبوت)

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ مدینہ میں ہر طرف کہرام مچ گیا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس واقعہ کا یقین نہ آیا تھا۔ ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے اور وہ نہایت غیض و غضب کے عالم میں باہر نکلے۔ ہوا میں ۔مکے لہراتے ہوئے اور چلاتے ہوئے کہا کہ اگر کسی نے کہا محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں تو وہ اپنے انجام کے لئے تیار رہے پھر وہ کہنے لگے۔

"موسیٰ کا قصہ یاد ہے جب وہ کوہ سینا پر اللہ کے پاس گئے تھے تو یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ وہ وفات پا گئے ہیں لیکن کیا ہوا چالیس دن کے بعد وہ زندہ واپس تشریف لے آئے۔ محمد ﷺ بھی چالیس دن بعد انہی کی طرح واپس آ جائیں گے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے وسط میں کھڑے تھے اور ان کے بال بکھرے ہوئے تھے ان پر دیوانگی کی کیفیت تھی وہ کبھی ادھر مڑ کے کچھ کہتے، کبھی ان کا غم حقیقی تلخی سے نبرد آزما تھا جیسے کوئی دیوانہ چاند پر پتھر پھینک رہا ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خبر ملتے ہی مقام سنخ سے سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ روئے مبارک سے پردہ اٹھا کر حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لیا چہرہ ڈھانپ دیا۔

بعد ازاں مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے سامنے تقریر فرمائی۔

"اگر ہم میں سے کوئی محمد ﷺ کو معبود سمجھتا ہے تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے؟ پھر قدرے توقف کے بعد اعلان فرمایا۔

"لیکن جو اللہ کو اپنا معبود سمجھتا ہے اس کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ اللہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا"۔ اس کے بعد سورۂ آل عمران کی یہ آیت پڑھی جو جنگ احد کے بعد نازل ہوئی تھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ

مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ

فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران)

جس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آیت تلاوت فرمائی تو حاضرین کو یوں لگا یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے منہ کی بات کہہ دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا تو حیرت زدہ ہو کر بے ساختہ زمین پر گر پڑا میرے پیروں کی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ اس وقت گویا مجھے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے (ابن ہشام)

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تدفین کے بعد قبر مبارک پر چھڑکاؤ کرنے کی سعادت بھی میرے حصے میں آئی۔ میں آہستہ آہستہ قبر پر چھڑکاؤ کرتا جاتا تھا اور

سوچتا جاتا تھا کہ آج کیسا آفتاب غروب ہوگیا۔ کیا سعادت ہے، اس زمین کی مٹی کے ان ذروں کی جنہوں نے اس آفتاب کو اپنی آغوش میں لیا ہے۔ مٹی بیٹھ گئی تو میں نے ہاتھوں سے تھپک تھپک کر اسے ہموار کیا۔ رخصت ہوتے ہوئے مڑ کر دیکھا تو ساری قبر پر میرے سیاہ ہاتھوں کے نشان بنے ہوئے تھے۔ (مشکوٰۃ وکر یگ)

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور غمِ مفارقت

امیہ بن خلف کی تازیب و تشدد اور غلامی سے، آزادی اور نجات سے لیکر وصال نبوی ﷺ کے اندوہ ناک لمحات تک درِ مصطفیٰ ﷺ سے غلام ابن غلام سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو اعزازات مرتبہ و مقام اور شرف ملا وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ اس مقام و مرتبہ کو انسانیت کی معراج کہنا ہی موزوں اور مناسب ہوگا۔ غلامی سے آزادی کے بعد سیاہ فام حبشی غلام نبی عالی مقام ﷺ کا مدار المہام، ان کا بے دام غلام، ان کا معتمد خاص، نحیب، خادم خاص، نقیب چوبدار عصا بردار، چوکیدار، پیش کار، مہماندار، ہرکارہ، سقہ، داروغہ، باورچی، خازن مطبخ، مؤذن خاص اور ان کو ہر صبح بیدار کرنے والا تھا۔ خادم رسول ﷺ اور مؤذن کی حیثیت سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ہر وقت خانہ خدا اور محمد ﷺ کی چوکھٹ پر حاضر رہنا مقدر سعید ٹھہرا۔ یہ مرتبہ ملا جسے مل گیا یہ مقام و مرتبہ تو قدسیوں میں سے بھی کسی کو حاصل نہ ہوا۔

سرور کون و مکاں ﷺ کے وصال ظاہری کے وقت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے سامنے چپ چاپ بیٹھے روتے رہے ان میں پاؤں پر کھڑے ہونے کی سکت نہ تھی۔ آپ ﷺ سراپا تصویرِ غم بنے ہوئے تھے۔ ابھی آپ ﷺ کی تدفین نہ ہوئی تھی کہ اذان کا وقت ہو گیا لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا کہ اذان دیں گے لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں حضور ﷺ کے بعد کبھی اذان نہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس دل فگار میں اب اتنی قوت باقی نہیں رہی کہ حبیب خدا ﷺ کا اسم مبارک بلند آواز سے لے سکوں۔ یہ کہہ کر آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا اور زار و قطار رونے لگے۔ آپ کو روتا ہوا دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی رونے لگے۔ کافی دیر تک یہی صورت حال رہی پھر حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ

نے مسجد نبوی کی چھت پر چڑھ کر اذان دی اور اس کے بعد وہی اذان دیتے رہے۔

اگر چہ آپ چاہتے تھے کہ توصیف الٰہی بیان کریں۔ رسالت محمد ﷺ کی شہادت دیں اور اہل ایمان کو دعوت نماز دیں مگر یوں لگتا تھا کہ اندر سے کچھ ٹوٹ گیا ہے۔ اور جس کے ٹوٹ جانے سے ان کی ساری صلاحیتیں بجھ گئی ہوں اور جو کچھ ٹوٹا ہے وہ جڑ نہیں سکتا۔ پس اسی اثبات ونفی کے عالم میں زندہ رہنا انہوں نے اپنا مقدر ٹھہرالیا تھا۔

ایک دن سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ نے بہت زور دیکر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی ﷺ کی چھت پر چڑھایا مگر آپ رضی اللہ عنہ کی ٹانگیں ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ دونوں نے سہارا دیا ابھی اللہ اکبر کے الفاظ ہی کہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور الفاظ کا دروبست بھول گیا کبھی کوئی لفظ نکلتا اور کبھی کوئی۔ رسالت مآب ﷺ کا نام آتے ہی ان پر رقت طاری ہوگئی اور آپ رک گئے دوبارہ شروع سے اذان دینے لگے پھر حضور اکرم ﷺ کا نام آتے ہی رک گئے۔ چار دفعہ اذان شروع کی اور چاروں مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ آپ لفظ محمد ﷺ اکثر ان کو دیکھ کر ادا کیا کرتے تھے۔ وہ سامنے ہوتے تھے یا پاس ہوتے تھے تو آپ ان کی طرف اشارہ کرکے ان کی رسالت کی شہادت دیا کرتے تھے۔ لیکن اس دن آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا زبان ساتھ دے رہی تھی نہ ذہن۔ آخر دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ان پر ترس کھا کر نیچے اتارا۔

نبی رحمت ﷺ کے رحال کے بعد سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح بہت برا اثر ہوا۔ آپ اکثر غمگین اور افسردہ رہتے تھے۔ آپ مدینہ منورہ کی گلیوں میں یہ کہتے پھرتے تھے کہ لوگو! تم نے کہیں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے تو مجھے سرکار ﷺ کا پتہ بتادو۔ پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ غم مفارقت وہجر میں مدینہ کو چھوڑ کر ملک شام کی طرف نقل مکانی فرماگئے۔

سیدنا بلال اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا دور خلافت

نبی مکرم ﷺ کی رحلت کے بعد سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھوئے کھوئے سے رہنے لگے ان کی نظریں نبی کریم ﷺ کی تلاش میں لگی رہتی تھیں مگر آپ ﷺ دکھائی نہ دیتے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بے چین ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ کو سامنے نہ پا کر ایسا لگتا تھا جیسے وہ دنیا میں تنہا رہ گئے ہوں اور زندگی میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہو۔

طبرانی نے عبداللہ بن محمد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

"اے خلیفۃ الرسول ﷺ میں نے اپنے آقا ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مومنین کے لئے سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ میرا ارادہ ہے اب میں تادم مرگ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہوں"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے بلال رضی اللہ عنہ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں اور حرمت اور اپنے حقوق کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری عمر زیادہ ہو چکی ہے۔ میرے قواء کمزور ہو گئے ہیں اور میری وفات قریب ہے اس وقت تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ"۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات مان لی اور مدینہ منورہ میں ہی ٹھہر گئے (سیارہ ڈائجسٹ صحابہ کرام نمبر) صحیح بخاری اور طبقات ابن سعد کی روایات کے مطابق حضور اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا:

اے خلیفۃ الرسول! کیا آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے خدا کے لئے آزاد کیا تھا یا اس لئے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میں نے تمہیں محض اللہ کیلئے آزاد کیا تھا''۔

اس پر آپ نے درخواست کی کہ مجھے جہاد پر جانے دیجئے تا کہ اپنی بقایا زندگی اس بہتر عمل میں گزار دوں جسے میرے آقا ﷺ نے مومن کا سب سے بہتر کام قرار دیا ہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خدا کا واسطہ دے کر ان سے کہا کہ مجھے اس عالم پیری میں اپنی رفاقت سے محروم نہ کرو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کی بات تو مان گئے لیکن ساتھ یہ شرط رکھ دی کہ اب میں رسول اللہ ﷺ کے بعد اذان نہیں دوں گا۔

سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمہیں اس بات کا اختیار ہے'' شرح مشکوٰۃ شریف اردو جلد نمبر ۵ ''مظاہر حق جدید'' میں علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی نے جلد پنجم صفحہ ۸۶۷ پر بخاری شریف کے الفاظ من وعن اس طرح رقم کئے ہیں۔

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ اَنَّ بِلَالًا قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ اِنْ كُنْتَ اِنَّمَا اِشْتَرَيْتَنِيْ لِنَفْسِكَ فَاَمْسِكْنِيْ وَاِنْ كُنْتَ اِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِيْ لِلّٰهِ فَدَعْنِيْ وَعَمَلَ اللّٰهِ (رواہ البخاری)

''اور قیس بن ابی حازم (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ!''۔

اگر آپ نے اپنی ذاتی خوشی کے لئے مجھ کو خریدا تھا تو مجھ کو اپنے پاس رکھ لیجئے اور جس خدمت پر چاہیں مامور کر دیجیے لیکن اگر آپ نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مجھ کو خریدا تھا تو مجھ کو اللہ کے کام کے لئے آزاد چھوڑ دیجیے۔ (بخاری) مدارج النبوت اردو جلد دوم صفحہ ۹۴۸ میں رقم ہے۔

"ابن عبدالبر نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے واسطے اذان کہی"۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان سے وہاں سے چلے جانے کے لئے اجازت مانگی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ وہ چیز کیا ہے جو تمہیں ہمارے پاس رہنے اور اذان کہنے میں مانع ہے؟ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے اذان کہتا رہا ہوں۔ وہ میرے لئے ولی نعمت تھے اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے یہ سنا ہے، کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ افضل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔ یہ روایت مشہورہ کے برعکس ہے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور فاروقی عہد خلافت

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا وَاَعْتَقَ سَیِّدَنَا یَعْنِیْ بِلَالاً

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں انہوں نے ہمارے سردار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا''۔(مشکوۃ شریف)

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی یہ بہت بڑی خواہش تھی کہ وہ جہاد میں شرکت کریں۔ ویسے بھی حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ مدینہ منورہ میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عاشق رسول کی مفارقت کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں گوارا نہ کیا اور انہوں نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ انہیں چھوڑ کر کہیں نہ جائیں۔ تاریخ کے قارئین اچھی طرح جانتے ہیں کہ اہل فارس سے سلطنت مدینہ کی جنگ سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے آغاز میں شروع ہو چکی تھی اور اس محاذ جنگ کے کمانڈر سیدنا حضرت خالد رضی اللہ عنہ تھے جو بڑی کامیابی سے ایرانیوں کے خلاف پیش قدمی کر رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے آخری ایام میں چار لشکر ترتیب دیکر شام کی طرف روانہ کئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابوسفیان کو دمشق کی فتح پر مامور کیا۔ حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو اردن، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو حمص اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین کی تسخیر پر مقرر فرمایا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور چار سال تک شام کے معرکوں میں مصروف رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے جس

نے قیسار پر حملہ کیا تھا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر ان کی زندگی میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ میں قیام پذیر رہے اور پھر سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان سے جہاد میں شرکت کے لئے اجازت لیکر آپ رضی اللہ عنہ شام روانہ ہو گئے اور چار سال تک جہاد میں شریک رہے اور پھر بقیہ زندگی شام میں مقیم رہ کر گزاری اور وہیں وفات پائی۔ اغلب خیال یہی ہے کہ یا تو آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں شام منتقل ہوئے یا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد دور فاروقی کے ابتدائی ایام میں شام منتقل ہوئے (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَرَسُوْلُه)

جنگ قیساریہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ

قیساریہ بحرہ روم کے ساحل پر شام کی ایک اہم بندرگاہ تھی۔ تمام شام فتح ہو چکا تھا لیکن یہ شہر ابھی تک رومیوں کے قبضہ میں تھا۔ یہاں سے رومی بڑی آسانی سے فوجی کاروائی کر کے شام میں فتنہ وفساد برپا کر سکتے تھے۔ چنانچہ قیساریہ کی عسکری اہمیت کے پیش نظر ۱۷ھ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کا محاصرہ کرلیا مگر وہ شہر فتح نہ کر سکے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ جنگ قیساریہ میں جب قسطنطین نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر سے عارضی صلح کرنی چاہی تو اپنا قاصد اسلامی لشکر کے پاس بھیجا۔ رومی قاصد نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہمارا شہزادہ بڑا رحم دل ہے وہ خون ریزی کو ناپسند کرتا ہے۔ لہٰذا آپ کسی صائب الرائے اور فصیح و بلیغ شخص کو بھیجیں جو معززین عرب سے ہو تا کہ وہ شرائط صلح طے کرے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ تم میں سے کون اس کام کے لئے آمادہ ہے۔ یہ سن کر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"اے عمرو رضی اللہ عنہ میں اس کے پاس جاتا ہوں"۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے بلال! ایک تو سرکار ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کے حواس پر بہت گہرا اثر کیا ہے۔ دوسرے آپ رضی اللہ عنہ اہل عرب سے نہیں ہیں اور نہ ہی اہل عرب کی سی فصاحت و بلاغت آپ کی زبان میں ہے اور تیسرے مجھے اندیشہ ہے کہ مغرور شہزادہ کہیں آپ رضی اللہ عنہ سے بات کرنے سے انکار نہ کردے۔ اس لئے مجھے آپ رضی اللہ عنہ کے بھیجنے میں تامل ہے۔ گو ہماری نظروں میں آپ رضی اللہ عنہ کی انتہائی قدر ومنزلت ہے لیکن وہ نصرانی شہزادہ آپ رضی اللہ عنہ کی شان و مقام سے ناآشنا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے عمرو رضی اللہ عنہ! تمہیں خدا کی قسم دیکر کہتا ہوں ضرور مجھے ہی بھیجو میں انشاء اللہ اس کام کو بطریقہ احسن سرانجام دوں گا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے بہت بڑی قسم دلائی ہے اب میں آپ رضی اللہ عنہ کو نہیں روک سکتا۔ پس آپ رضی اللہ عنہ تشریف لے جائیں اور شہزادے سے مل کر اسلام کی خوبیاں اور محاسن اس پر واضح فرمائیں۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ عمرو بن العاص سے رخصت ہو کر قاصد کے پاس آئے اور فرمایا۔ امیر لشکر نے مجھے آپ کے شہزادے سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ قاصد آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا اور کہنے لگا۔ کہ عرب امیر کے پاس کوئی اور معزز آدمی نہیں رہا جو وہ ایک حبشی کو سفارت پر بھیج رہا ہے؟ ہمارا شہزادہ تو تم سے بات نہیں کریگا"۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اے رومی۔

اگرچہ میں حبشی ہوں لیکن اہل اسلام میری بڑی عزت کرتے ہیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کا موذن ہوں اور تمہارے شہزادے سے گفتگو کرنے سے قاصر نہیں ہوں'۔

رومی قاصد بولا!

"اچھا میں تم کو لئے چلتا ہوں مگر شہزادے کے سامنے پیش کرنے سے پہلے میں اسے تمہارے آنے کی اطلاع کروں گا اگر شہزادے نے اجازت دی تو میں تمہیں پیش کروں گا ورنہ نہیں"۔

رومی قاصد سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیکر رومیوں کے کیمپ میں آیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو باہر کھڑا کر کے رومی شہزادے کو اطلاع دی کہ عرب امیر نے آپ سے گفتگو کے لئے ایک حبشی غلام کو مامور کیا ہے۔ شہزادہ کو علم نہیں تھا کہ اسلام میں حقیقی بزرگی اور فضیلت کیا چیز ہے۔ اس نے ایک حبشی سے ملنے میں اپنی اور سب کی بے عزتی محسوس کی وہ سخت برافروختہ ہو کر کہنے لگا عرب سردار نے ہمیں اس قدر حقیر سمجھا ہے کہ ایک حبشی کو گفتگو کرنے کے لئے بھیجا ہے جاؤ اس کو واپس کر دو اور کہہ دو کہ شہزادہ آپ سے گفتگو کرنا اپنی بے عزتی تصور کرتا ہے اگر عربی سردار کو ہم سے بات کرنا منظور ہے تو وہ خود آئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شہزادے کے اس متکبرانہ کلام سے سخت دل برداشتہ ہو کر اسلامی کیمپ میں تشریف لائے اور تمام ماجرا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ

اسلام کے نامور سپہ سالار کی معزولی کا واقعہ ۱۷ھ کے واقعات میں سے سب سے اہم واقعہ ہے۔ خالد بن ولید اپنے شجاعانہ اور جان فروشانہ کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ وہ کبھی فوجی مہمات کے مصارف کا حساب کتاب دربار خلافت نہیں بھیجتے تھے خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم طبیعت کے انسان تھے۔ وہ عمال کی چھوٹی موٹی غلطیوں سے چشم پوشی کر جاتے تھے۔ دوسرے اس نازک وقت میں اسلام کو خالد رضی اللہ عنہ کی تلوار کی سخت ضرورت تھی۔ بایں وجہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمات کے پیش نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چشم پوشی سے کام لیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خالد رضی اللہ عنہ کی روش اسی زمانہ سے پسند نہ تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ تو خالد نے تب بھی اپنی روش نہ بدلی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو تاکید کی کہ وہ آئندہ سے ان کی اجازت کے بغیر ایک بکری بھی کسی کو نہ دیں اور فوجی مہمات کے مصارف کا باقاعدہ حساب کتاب دربار خلافت میں بھیجا کریں۔ خالد نے جواب دیا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت سے ایسا کرتا چلا آرہا ہوں اب اس کے خلاف نہیں کرسکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باردیگر لکھا کہ تم سپہ سالار اسی صورت میں رہ سکتے ہو کہ فوجی مہمات کے مصارف کا حساب باضابطہ بھیجتے رہو۔ لیکن حضرت خالد اپنی ضد پر قائم رہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول نہیں کیا بلکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت کر دیا۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دادو دہش کا ہاتھ یہاں تک بڑھا دیا ہے کہ اشعث بن قیس نامی شاعر کو دس ہزار کی گراں قدر رقم دے ڈالی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ

عنہ کولکھا کہ خالد کو گرفتار کر کے پوچھا جائے کہ اشعث کو اتنی بڑی رقم کس مد سے دی ہے۔ اگر اس نے یہ رقم اپنی جیب سے دی ہے تو اصراف کیا ہے اور اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کی ہے۔ دونوں حالت میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ چنانچہ تعمیل حکم میں حضرت ابو عبید رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ اور مجمع عام میں ان سے یہ سوال پوچھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خاموش کھڑے رہے۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور خالد کا عمامہ کھول کر اس سے ان کی مشکیں کس لیں ٹوپی اتاری اور پوچھا۔

''بتاؤ تم نے وہ رقم اپنے مال سے دی تھی یا مسلمانوں کے اموال سے''۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اپنے مال میں سے''۔

یہ سن کر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عمامہ کھولا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے سر پر باندھا اور کہا:

''خالد برا نہ ماننا ہمیں اپنے حاکموں کی ہر طرح سے اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔ (بحوالہ تاریخ ابن خلدون جلد اول ص ۵۳، ۵۲، ۳ طبری جلد ص ۸۱ تاریخ اسلام از معین الدین احمد شاہ ۲، ۱ جلد ص ۱۶۱)

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی غیور اور حساس طبیعت یہ ہرگز گوارا نہ کرسکی کہ ایک جلیل القدر سپہ سالار سر عام خلیفۃ المومنین کے سوال کا جواب دینے سے پہلو تہی کرے۔ انہوں نے زندگی میں ایک ہی سبق سیکھا تھا کہ اپنے پیشوا اور حاکم کی کامل وفاداری کی جائے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے سوال کا جواب دینے میں تامل کر رہے ہیں اور متذبذب ہیں تو انہوں نے آگے بڑھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کی علامت کے طور پر ٹوپی اتاری پھر ان کو انہی کے عمامہ سے باندھا اور مشکیں کس لیں انہوں نے ہرگز اس بات کا خیال نہ کیا کہ وہ سر عام ایسے شخص

کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں جو مسلمانوں کا سالارِ اعظم ہے۔ تاہم جب خالد رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المومنین کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے ان کے سوال کا جواب دے دیا تو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے عمامہ کھول کر حضرت خالد کے ہاتھ پاؤں اور گردن آزاد کر دیئے اور عمامہ انکے سر پر باندھ دیا اور ساتھ ہی معذرت بھی کی کہ میں نے ایسا کسی ناراضگی کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ محض لوگوں کو اطاعت امیر اور فرماں برداری کا سبق سکھانا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اطاعت صرف اس شخص کے لئے مخصوص تھی جو صدق دل سے خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کا فرماں بردار ہو۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جوش ایمان کی یہ حالت تھی کہ تمام اعمال حسنہ کو دین کی اساس سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ تو فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر صدق دل سے ایمان لاؤ۔ جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرو اور حج بیت اللہ ادا کرو۔

بیت المقدس میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان

تاریخ کی کتب سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا چار مرتبہ سفر شام کے لئے روانہ ہونا ثابت ہے۔ آخری بار آپ رضی اللہ عنہ طاعون عمواس کی وباء کے خاتمے کے بعد ۱۷ھ میں شام گئے کیوں کہ اس موذی مرض سے پچیس ہزار مجاہدین لقمہ اجل بن چکے تھے جن میں یزید بن ابی سفیان، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور دیگر اہم کمانڈر طاعون سے وفات پا چکے تھے۔ ان اعلیٰ مناصب کو پر کرنا تھا اور طاعون میں ہلاک ہونے والے مجاہدین کے بیوی بچوں کے وظائف مقرر کرنا اور انتظامی امور کی بحالی جیسے اہم کام کی انجام دہی کے لئے بندوبست کرنا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ علاقوں کا دورہ کیا۔ ہلاک ہو جانے والے افسران کی جگہ نئے افسر تعینات کئے۔ دمشق کا حاکم امیر معاویہ کو مقرر کیا۔ کیونکہ حاکم دمشق یزید بن ابی سفیان طاعون کی بیماری سے ہلاک ہو گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب قبلہ اول بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ تو انہوں نے مسلمانوں کے سامنے مدینہ روانگی سے قبل ایک تقریر کی۔ اس موقع پر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ مجاہدین یہاں آ کر پرندوں کا گوشت اور میدے کی روٹی کھانے لگے ہیں جبکہ عام آدمی کو روٹی اور کھجوریں بڑی مشکل سے میسر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسران کی طرف استفسارانہ نظر سے دیکھا تو انہیں بتایا گیا کہ یہاں پرندے کا گوشت اور میدے کی روٹی کھجوروں اور عام روٹی کی نسبت سستی ملتی ہے۔ اس لئے وہ ایسا کرتے ہیں۔ تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پھر اس کی ممانعت نہ کی۔ (تاریخ ملت جلد اول ص ۲۷۸ از مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی)

بیت المقدس میں دیئے جانے والے تاریخی خطبے کے دوران نماز مغرب کا وقت ہو گیا سامعین و حاضرین کی جماعت میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش تھی کہ اس موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیں لیکن صحابہ کرام کو علم تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم ﷺ کے وصال ظاہری کے بعد اذان نہیں دی اور اگر عاشق دل فگار کو اذان دینے کے لئے کہا گیا تو فراق محبوب ﷺ میں تڑپنے لگیں گے۔ آخرکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اے ہمارے سردار بلال رضی اللہ عنہ! آج اسلام کے قبلہ اول پر پرچم توحید لہرایا ہے۔ اس باعظمت موقع پر آپ رضی اللہ عنہ اذان دیں تو ہم آپ رضی اللہ عنہ کے شکر گزار ہیں"۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے امیر المومنین میں عہد کر چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اذان دیتا ہوں" (سیارہ ڈائجسٹ صحابہ کرام نمبر ص ۱۲۵) یہ کہہ کر اذان دینے کے لئے کھڑے ہو گئے جب ان کے منہ سے اللہ اکبر اللہ اکبر کے الفاظ نکلے تو صحابہ کرام کے قلب و جگر کے ٹکڑے اڑ گئے۔ انہیں رحمت عالم ﷺ کے زمانہ مبارک کا سماں یاد آ گیا جب وہ اشھد ان محمد رسول اللہ پر پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ روتے روتے نڈھال ہو گئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو فراق رسول ﷺ نے تڑپا دیا۔ وہ اتنے شدید روئے کہ اتنے کبھی نہیں روئے تھے۔ روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ حضرت بلال اذان سے فارغ ہوئے تو بڑی مشکل سے عاشقان رسول کو قرار آیا۔ (ابن خلدون جلد اول ص ۳۴۱) تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی ص ۱۶۰ مدارج النبوت ص ۹۴۷) اسد الغابہ (جلد دوم ص ۱۷) میں رقم ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ (فتح المقدس کے لئے) شام تشریف لے گئے تو ان کے کہنے پر وہاں ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ راوی کہتا ہے کہ اس دن سے زیادہ ہم نے رونے والے نہیں دیکھے۔ سیر الصحابہ (جلد دوم ص ۲۱۱) میں تاریخ طبری اور اسد الغابہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۱۶ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا۔ تو دوسرے افسران کے

ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی مقام جابیہ پر ان کو خوش آمدید کہا اور بیت اللہ کی سیاحت میں ہمرکاب رہے۔ ایک دور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا۔ تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا یہ کہہ عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت وشوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بے تاب ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی بے اختیار رو پڑے غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی۔

شام میں توطن

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام میں چار سال تک جہاد میں مصروف رہنے کے بعد وہاں قیام کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب فتح بیت المقدس کے بعد مقام جابیہ گئے تو ان سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ انہیں شام میں رہنے دیں۔ انہوں نے منظور کرلیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میرے بھائی ابورویحہ (عبد اللہ بن عبدالرحمٰن) کو بھی اجازت دے دیجئے جن کی میرے درمیان رسول اللہ ﷺ نے مواخات کرادی تھی۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: اچھا تمہارے بھائی کو بھی میں نے اجازت دی۔ دونوں بھائی شام کے قصبے ''خولان'' میں رہنے لگے۔ وہاں ان کو ایک جاگیر ملی تھی جس میں دونوں بھائی کھیتی باڑی کرتے تھے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ کی رقم ملتی رہی۔ مؤذن رسول ﷺ کے مصنف علی اصغر چوہدری ص ۸۹ پر لکھتے ہیں کہ:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اب مدینہ منورہ میں رہنا نہیں چاہتے تھے بلکہ جہاد میں شامل ہونا ان کی اولین خواہش تھی اس لئے تھوڑی سی گفت وشنید کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جہاد میں حصہ لینے کی اجازت حاصل کر لی اور ملک شام میں جا کر لشکر اسلام سے جا ملے۔ جنگوں کے اختتام پر آپ رضی اللہ عنہ دمشق کے قرب وجوار میں ایک چھوٹی سی جاگیر میں مقیم ہو گئے اور کھیتی باڑی کر کے اپنا گزارا کرنے لگے۔

دمشق ملک شام کا دارالخلافہ ہے اور ملک شام کا قدیم نام بھی دمشق تھا۔ مدینہ سے نکل کر آپ رضی اللہ عنہ کی دمشق اور شہر حلب میں سکونت اختیار کرنے کی مختلف روایات ملتی ہیں عین ممکن ہے دمشق سے ملک شام مراد ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے آپ رضی اللہ عنہ دمشق کے بعد شہر حلب تشریف لے گئے ہوں اور پھر جب آپ رضی اللہ عنہ خواب میں رسول اللہ

ﷺ کے بلاوے پر حلب سے دمشق تشریف لے گئے ہوں اور واپسی پر دوبارہ دمشق آ گئے ہوں۔ تاہم تاریخ کی کتب سے ثابت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دمشق کے نواح میں قصبہ خولان میں سکونت پذیر رہے وہیں کھیتی باڑی کا کاروبار کرتے رہے اور جب آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو باب الصغیر میں دفن ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

آخری اذان

مدارج النبوت جلد دوم ص ۹۴۸،۴۹ میں شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو شام میں سکونت پذیر ہوئے چھ ماہ کا عرصہ گزرا تھا کہ ایک روز شب کے وقت خواب کے دوران آپ کو سرور عالم ﷺ کی زیارت ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس قدر ظلم کرتے ہو کہ ہماری زیارت کو بھی نہیں آسکتے؟ سیر الصحابہ جلد دوم (ص ۲۱۲) پر تحریر ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلال رضی اللہ عنہ یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟ عشق و محبت کے دیوانے بلال رضی اللہ عنہ اسی وقت بلا تامل مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مدینہ کے قریب آ کر انہوں نے کسی سے سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے صاحبزادوں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا تو پتہ چلا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو جنت کو سدھار چکیں البتہ امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ دونوں ہیں۔ یہاں تک کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لائے۔

سیر الصحابہ میں (جلد دوم ص ۲۱۲) مذکور ہے کہ مدینہ شریف پہنچ کر روضۂ اقدس پر حاضری دی اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشگان رسول ﷺ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے۔ لوگوں کی خواہش تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں اذان دیں لیکن کسی میں جرأت نہ تھی کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کہیں کہ وہ اذان دیں مدارج النبوت میں شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

پس لوگ حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواست گزار ہوئے کہ بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہلوائیں وہ ان کا کہنا ہرگز رد نہیں کر سکتے۔ سیر الصحابہ اور

اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ۔

"ان دونوں (حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما) نے خواہش ظاہر کی آج صبح کے وقت اذان دیجئے"۔

اگر چہ ارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ اذان نہ دیں گے تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے۔ چنانچہ آپ صبح کی اذان دینے کے لئے اس جگہ پر آ کھڑے ہوئے جس پر وہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں کھڑے ہو کر اذان کہتے تھے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جب اللہ اکبر کی آواز بلند کی تو لوگوں کی نظروں میں حضور اکرم ﷺ کا زمانہ اور اس دور کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ جب آپ ﷺ حیات ظاہری میں موجود تھے لوگوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ جب اشهد ان لا الله الا الله کی آواز بلند کی تو گریہ کا شور حد سے زیادہ ہو گیا۔ اس کے بعد جب روضہ رسول ﷺ کی طرف اشارہ کر کے اشهد ان محمدا رسول الله کے الفاظ کہے تو سارے شہر میں کہرام مچ گیا اور رونے کا شور اس قدر بلند ہوا کہ پردہ دار دوشیزائیں بھی روتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں۔ عاشقان رسول ﷺ کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ بیان کیا گیا کہ مدینہ میں ایسا پر اثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ہادی برحق نبی اکرم ﷺ کا انتقال آج ہی ہوا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار خلافت میں قدر و منزلت

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قریش کے شرفا جن میں حضرت سہیل بن عمرو اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے گئے۔ اسی اثناء میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو اندر بلایا۔ یہ دونوں صحابہ رسول اللہ کے بدری صحابی تھے اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بدری تھے اور ان سے محبت کرتے تھے اور ان سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کر رکھی تھی۔ اکابرین قریش کو یہ بات ناگوار گزری۔ ابوسفیان کہنے لگے میں نے آج کی طرح کا معاملہ تو کبھی نہیں دیکھا کہ ان غلاموں کو اجازت دی جا رہی ہے۔ اور ہم بیٹھ رہے ہماری طرف توجہ ہی نہیں کی جا رہی۔ اس پر حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے آہ! وہ بہت جوانمرد تھے۔ بہت عقل مند تھے۔ اے قوم! میں تمہارے چہروں سے ناگواری دیکھ رہا ہوں اگر تمہیں غصہ ہے تو اپنی جانوں پر غصہ کرو۔ داعی حق نے ہم سب کو بیک وقت حق کی طرف بلایا لیکن ہم نے اس دعوت کو قبول کرنے میں تاخیر کی لیکن بلال رضی اللہ عنہ اور صہیب رضی اللہ عنہ نے جلدی کی۔ خدا کی قسم! وہ فضیلت جو تمہیں نظر نہیں آ رہی وہ پہلے لے گئے ہیں۔ اس دروازے میں پہلے جانے کی فضیلت جس کی رغبت تم رکھے ہوئے ہو تم پر بہت بھاری ہوگی۔ اے قوم یہ قوم جو فضیلت لے گئی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اللہ کی قسم! تمہارے لئے اس فضیلت کو حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ ہاں جہاد کو سامنے رکھو، اسے لازم رکھو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں بھی شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے۔ پھر سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے جھاڑے اور شام کے علاقے میں چلے گئے (جہاد کشمیر ماہ اپریل ۱۹۹۸ء)۔

وفات

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات اور عمر کے بارے میں اہل سیر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ نے ۱۸ ھ میں وفات پائی اور بعض لکھتے ہیں کہ آپ ۲۰ ھ میں فوت ہوئے اس طرح ان کی عمر کے بارے میں بھی لکھا کہ ہے آپ نے ۶۳ برس کی عمر پائی۔ کچھ اہل قلم نے لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ستر برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مدفن کے بارے میں بعض مؤرخین نے تحریر کیا ہے آپ دمشق میں باب صغیر کے قبرستان میں دفن کئے گئے، جبکہ بعض نے لکھا ہے آپ حلب کے شہر میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کئے گئے۔

درست بات یہ ہے کہ آپ نے ۶۳ برس کی عمر میں ۱۸ ھ میں وفات پائی اور دمشق باب صغیر کے قبرستان میں دفن کئے گئے اسد الغابہ (جلد دوم ص ۱۲) میں امام ابی الحسن علی الحزری ابن اثیر نے محمد بن سعد کاتب واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۰ ھ میں دمشق میں ہوئی اور باب الصغیر میں مدفون ہوئے اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال سے کچھ اوپر تھی۔

مدارج النبوت جلد دوم ص ۹۴۹ پر رقم ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا وصال دمشق میں ہوا اور ان کو باب صغیر کے نزدیک دفن کیا گیا وصال شریف ۲۰ ھ یا ۱۸ ھ میں ہوا ساٹھ سال سے کچھ زیادہ کی عمر تھی یا تریسٹھ سال تھی۔ اہل قلم کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ نے دمشق میں ۲۰ ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور باب الصغیر میں مدفون ہوئے۔

ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی مؤلف "عاشق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ" نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے ۱۹۸۳ء میں دمشق میں واقع "باب الصغیر" نامی قبرستان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر حاضری کی سعادت حاصل کی ہے۔ قبر انور ایک کمرے کے اندر موجود ہے جس کے اندر آپ رضی اللہ عنہ کی قبر انور کے پہلو میں حضرت

عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک ہے جو لمبائی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر انور سے کافی چھوٹی ہے۔ مزار مبارک کی چار دیواری کے بالکل ساتھ حضرت بی بی سکینہ رضی اللہ عنہا کا مزار مبارک ہے۔ جبکہ اسی قبرستان میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور صحابیات کے مزارات بھی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک آج بھی مشہور اور مرجع خلائق ہے۔ مزار پر انوار پر خاموش اور پر سکون ماحول ہے۔ آج بھی عشاق عشق کا سبق پڑھنے بارگاہ بلالی رضی اللہ عنہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ آنسوؤں کا نذرانہ اور فاتحہ کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (مراۃ شرح مشکوٰۃ کے مترجم) لکھتے ہیں۔

"حضرت بلال رضی اللہ عنہ ۲۰ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں دمشق میں فوت ہوئے اور باب الصغیر دمشق میں دفن ہوئے جبکہ بعض نے لکھا ہے کہ حلب میں باب الربعین میں آپ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے مگر پہلی بات قوی ہے۔ آپ کا مزار بی بی سکینہ رضی اللہ عنہ کی قبر سے متصل ہے۔ فقیر نے دمشق میں آپ رضی اللہ عنہ کی قبر انور کی زیارت کی ہے"۔

جب آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو زوجہ محترمہ ان کے قریب موجود تھیں جو زار و قطار رو رہی تھیں اور جب انہوں نے کہا۔

"واحزنا" یعنی ہائے کیسا غم ہے۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا" وافرحا" یعنی کتنی خوشی کی بات ہے کہ اپنے محبوب آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے جاملوں گا۔ دوسرے ہی روز آپ رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کی خبر سنی تو روتے روتے نڈھال ہو گئے اور فرماتے تھے:

"آہ! ہمارا سردار بلال رضی اللہ عنہ بھی داغ مفارقت دے گیا"۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک عابد و زاہد اور شب زندہ دار بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فکر آخرت سے ہر وقت لرزہ براندام رہتے تھے۔ ان کی بیوی ہندہ کا قول ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے بستر پر لیٹتے تو فرماتے:

"الٰہی میرے گناہوں سے درگزر فرما اور میری بیماریوں میں مجھے معذور سمجھ"۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شادیاں

کتاب ہذا کو ضبط تحریر میں لانے کے پس منظر میں تہذیب مغرب کے سحر سے متاثرہ بعض مذہب بے زار (مذہب اسلام) لوگوں کے حسب ذیل جملہ معترضہ کارفرما ہیں۔ ان کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ اسلام میں مغرب کی نسبت حقوق انسانی کا کوئی تصور (Concept) نہیں ہے۔ (۲) ان کا کہنا ہے۔ عاشق رسول بلال رضی اللہ عنہ ساری عمر عورت کو ترستے رہے لیکن ان کی شادی تک نہ ہو سکی۔ محترم کو اسلام پر یہ اعتراض بھی ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت شام کے وسیع وعریض مقبوضات کی اراضی کو خارجی زمین قرار دیا اور بلال رضی اللہ عنہ کو مقبوضہ زمین سے اراضی کا ایک ٹکڑا تک دینے سے صاف انکار کر دیا۔

ان تینوں جملہ ہائے معترضہ پر غور کیا جائے تو صاف طور پر یہی مطلب عیاں ہوتا ہے کہ معترض کے نزدیک دین اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں فلاح انسانی اور حقوق انسانی کا سرے سے کوئی تصور نہیں بلکہ سراسر ایک استحصالی اور عدل وانصاف سے مبرا دین ہے اور خصوصاً اس دین میں پسماندہ اور غریب طبقے کے لوگوں کے لئے فلاح وبہبود اور ترقی کی ہر راہ مسدود ہے۔

پہلے اعتراض پر کتاب کے مقدمہ میں اسلام کے حقوق انسانی کے عملی پہلو پر جامع طور پر مگر قدرے اختصار سے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ یہاں تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں۔ جہاں تک سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو شام کے مقبوضات میں سے ٹکڑا اراضی دینے سے انکار کا تعلق ہے یہ سراسر غلط اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عدل گستر خلیفہ پر بہتان ہے۔ عاشق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دمشق کے مضافات میں قصبہ خولان میں ایک چھوٹی سی جاگیر ملی ہوئی تھی یہاں آپ رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ اور مواخاتی بھائی

حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔

یہ بھی بہتان عظیم ہے کہ عاشق رسول ﷺ سیدنا حضرت، بلال رضی اللہ عنہ ساری عمر عورت کو ترستے رہے اور کسی نے ان کو رشتہ نہ دیا، یہاں صرف اسی بہتان کے رد کے لئے شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں۔

''ہجرت مدینہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر بسانا چاہا لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ شادی کی مطلق استطاعت نہ تھی۔ علاوہ ازیں وہ حسن ظاہری سے بھی محروم تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ غریب الدیار تھے مگر ان میں کوئی خوبی تھی تو وہ صرف یہ تھی کہ شمع رسالت کے پروانوں میں شامل تھے ان کو توقع نہ تھی کہ ان جیسے مفلس اور غریب الوطن حبشی کو شرفائے عرب میں سے کوئی اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر آمادہ ہوگا لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جونہی انہوں نے شادی کی خواہش ظاہر کی تمام مہاجرین وانصار نے جو شرفائے عرب کا خلاصہ تھے۔ ان کے سامنے دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے۔ ہر ایک نے بصد خلوص آگے بڑھ کر کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا خویش بنانے سے بڑھ کر ہمارے لئے کون سی عزت ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ ان صاحب رسول ﷺ کو رشتہ کا انتخاب مشکل ہو گیا''۔ (سیارہ ڈائجسٹ صحابہ کرام نمبر) امام ابی الحسن الجزری ابن اثیر نے اسد الغابہ جلد دوم صفحہ ۱۱) (اردو) میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔

''حضرت عمر بن خطاب جب فتح بیت المقدس کے بعد مقام حدیبیہ گئے تو ان سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ انہیں شام میں رہنے کی اجازت دے دیجئے۔ چنانچہ آپ نے منظور کر لیا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا میرے برادر ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت دے دیجئے۔ جس کے اور میرے درمیان رسول خدا ﷺ نے مواخات کرا دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اچھا میں نے تیرے بھائی کو بھی اجازت دی۔ چنانچہ یہ دونوں خولان کے ایک محلے میں فروکش ہوئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ

نے ان سے (ابودرداء رضی اللہ عنہ) کہا ہم تمہارے پاس نکاح کی درخواست کرنے کو آئے ہیں۔ ہم پہلے کافر تھے۔ اب اللہ نے ہم کو ہدایت کردی ہے، ہم غلام تھے اللہ نے ہمیں آزاد کردیا، ہم فقیر تھے اللہ نے ہمیں مالدار کردیا پس اگر تم اپنی لڑکیوں کا نکاح ہمارے ساتھ کردو تو الحمدللہ اور اگر ہماری درخواست نامنظور کرو تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ ان لوگوں نے ان کے ساتھ نکاح کردیا۔

الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی سیر الصحابہ جلد دوم ص ۲۱۵ پر رقم طراز ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف ومعزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرادیا تھا۔ بنی زہرہ اور ابودرداء رضی اللہ عنہ کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا لیکن کسی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مولف ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی نے صفحہ ۹۲۔ ۹۳ پر تحریر کیا ہے کہ شادی کے ارادے سے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے آبائی وطن یمن کے قصبہ سراۃ تشریف لے گئے لیکن کوئی مناسب رشتہ نہ مل سکا۔

ایک صحابی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی جوان ہو گئیں تو ان کے دولڑکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی بہن کی شادی کے بارے میں مشورہ چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

''اس پر وہ خاموش ہو گئے دوسری مرتبہ اسی غرض سے وہ پھر حاضر ہوئے اس بار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہی نام لیا اور پھر خاموشی سے واپس چلے گئے

تیسری مرتبہ وہ آئے تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم بلال رضی اللہ عنہ کو کیوں فراموش کررہے ہوں؟

''وہ اہل جنت میں سے ایک ہے''۔

آخر یہ شادی ہوگئی اور اس طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ازدواجی زندگی کا آغاز

ہوا۔

ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی اپنی کتاب کے صفحہ ۹۴،۹۳ پر بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلال نے ایک اعرابی عورت سے نکاح کیا تھا ایک روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کا نام ہندہ الخولانی تھا اور وہ یمنی تھیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شام کی طرف نقل مکانی سے قبل ان کے عقد میں آچکی تھیں۔

ڈاکٹر موصوف مزید یہ لکھتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے اسلامی بھائی ابورویحہ رضی اللہ عنہ انصاری کے ساتھ ملک شام قبیلہ بنی خولان کے، ہاں پہنچے تو ان لوگوں سے کہا ہم دونوں اپنے نکاح کا پیغام دینے آئے ہیں۔ ہم کافر تھے اللہ نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا۔ ہم غلام تھے اللہ نے ہمیں آزادی کی نعمت عطا فرمائی۔ ہم تنگ دست تھے اللہ نے ہمیں مال و دولت نصیب فرمائی۔ اب اگر تم لوگ ہم سے نکاح کر دو گے تو ہم سب کے لئے بہتر ہوگا ایک روایت کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام کے شہر دمشق کے ایک قبیلے بنی خولان میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہیں انہیں کچھ زرعی زمین بھی مل گئی اور پھر حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے اسلامی بھائی سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر آباد ہو گئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاں اپنے اور اپنے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ انصاری کی شادی کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی دو لڑکیوں کا نکاح دونوں بھائیوں سے کر دیا۔ اس طرح دونوں بھائیوں نے خوشگوار ازدواجی زندگی کا آغاز کیا۔

علی اصغر چوہدری نے اپنی کتاب مؤذن رسول ﷺ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے صفحہ ۷۷،۷۹ پر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شادیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کئی نکاح کئے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بنوزہرہ کی ایک بدوی عورت سے شادی کی تھی۔ ایک روایت میں ہے ان کی بیوی کا نام ہندہ الخولانیہ تھا جو یمن سے تعلق رکھتی تھی۔ علامہ ابن سعد اور ابن عساکر کا بیان

ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں متعدد نکاح کئے کسی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ایک روایت کے مطابق ان کی ایک بیوی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ایک بیوی کا تعلق بنوخزرج کے خاندان عدی بن کعب سے تھا۔حافظ ابن قیم نے زادالمعاد جلد چہارم صفحہ ۱۱۶ پر لکھا ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نکاح حضور اکرم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بہن سے خود پڑھایا تھا۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی تلخیص الحبیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۵ پر بحوالہ دارقطنی و مراسل ابی داؤد لکھتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حالہ بنت عوف سے نکاح کیا جو عبدالرحمٰن بن عوف کی بہن تھیں (حدیث نمبر ۱۵۲۰) راقم اپنے محدود ذرائع سے یہاں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شادیوں اور معترض کے بے بنیاد اعتراض کے جواب میں اسی پر اکتفا کرنے پر مجبور ہے۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مذہبی زندگی

امام المؤذنین سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نہایت عابد وزاہد تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ شب زندہ دار بھی تھے رات کو جاگ جاگ کر کثرت سے رکوع وسجود کرتے تھے۔ آپ فکر آخرت سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ بی بی ہندہ الخولانی کا بیان ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ اپنے بستر پر لیٹتے تو فرماتے:

"الٰہی میرے گناہوں سے درگزر فرما اور میری بیماریوں میں مجھے معذور رکھ" صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت سرور کائنات ﷺ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا۔

"اے بلال رضی اللہ عنہ! مجھے تم اپنا کوئی عمل بتاؤ جس پر سب سے زیادہ اجر وثواب کی امید ہو کیونکہ میں نے اپنے آگے جنت میں تمہارے جوتوں کی چاپ سنی ہے"۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ میں نے ایسا عمل تو کوئی نہیں کیا، البتہ رات دن میرا کوئی وضو ایسا نہیں جس کے بعد میں نے نماز نہ پڑھی ہو"۔

نماز میں آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے آمین کہتے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو (سیر الصحابہ بخاری شریف)

اخلاق

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ محاسن اخلاق کے مجسم تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ دربار نبوی کے خادم خاص تھے۔ حبیب خدا احمد مرتضیٰ ﷺ کی خدمت گزاری ان کا مخصوص مقصد حیات اور محبوب مشغلہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ موذن خاص کی حیثیت سے ہر وقت خانہ خدا میں موجود رہتے تھے اور خادم رسول ﷺ کی حیثیت سے ہر وقت نبی رحمت ﷺ کے قدموں میں۔ اللہ کے گھر اور محمد ﷺ کی چوکھٹ پر حاضری سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا وظیفہ خاص تھا۔ حضور اکرم ﷺ جب آپ رضی اللہ عنہ کو کسی کام کا حکم دیتے تو آپ رضی اللہ عنہ اس کی تعمیل میں جان لڑا دیتے تھے۔

پاسبان رسول ﷺ کی حیثیت سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سفر و حضر اور جنگ و امان ہر حالت میں سرور دو عالم ﷺ کی پاسبانی کے فرائض سرانجام دیتے تھے اور خادم جاں نثار کی طرح ہمراہ ہوتے۔ عیدین اور استسقاء کے موقع پر نیزہ لے کر آگے آگے چلتے۔ یہ نیزہ ان نیزوں میں ایک تھا جو نجاشی شاہ حبشہ نے نبی مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں بطور تحفہ بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک نیزہ حضور اکرم ﷺ نے خود رکھ لیا تھا۔ دو نیزے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیئے تھے اور ایک نیزہ کے متعلق سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خصوصی حکم تھا۔ کہ وہ اسے ساتھ لے کر چلا کریں۔ چنانچہ وہ اس نیزہ کو ہمیشہ عیدین اور نماز استسقاء کے مواقع پر ساتھ لے کر چلتے تھے جب نماز کھڑی ہو جاتی تو اس کو آگے کھڑا کر کے زمین میں گاڑ دیتے تھے۔

روایات میں ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہی نیزہ اس طرح لیکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے ہمراہ چلا کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کہنے کے مطابق یہ نیزہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور

خلافت میں بھی اسی مقصد کے لئے استعمال کیا گیا۔

اس کے بعد ہر دور میں ہر خلیفہ کے دور حکومت میں نیزہ کے استعمال کا یہ طریقہ رائج رہا۔ ان کی حیثیت ایک دنیاوی بادشاہ کے خادم جیسی نہ تھی بلکہ عشق کا جذبہ کامل ان کو کسی وقت بھی اپنے محبوب ﷺ سے جدا نہ ہونے دیتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہمہ وقت اور ہمہ تن محبوب خدا ﷺ کی خدمت بجالانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ جب دوپہر کا وقت آتا اور دھوپ شدت اختیار کر لیتی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ بغیر کہے حضور اکرم ﷺ کے سر مبارک پر چادر تان دیتے تاکہ دھوپ کی تمازت سے بچاؤ رہے۔ غزوات کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے چند اس دور ایک سائبان کھڑا کر دیتے۔ جہاں سے حضور اکرم ﷺ جنگ کا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے اور مناسب حال ضروری ہدایات دیتے تھے۔ جب تک جنگ جاری رہتی سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ برابر میدان جنگ اور خیمۂ رسول ﷺ کے درمیان چکر لگاتے رہتے اور حضور انور ﷺ کے احکامات اور ہدایات لشکر تک پہنچاتے رہتے۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ مجالس وعظ و پند میں بھی ساتھ رہتے۔ افلاس و ناداری کے باوجود جو کچھ میسر آتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کے لئے پس انداز کرتے۔ ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضور اکرم ﷺ نے تعجب سے پوچھا "بلال رضی اللہ عنہ یہ کہاں سے؟" عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لئے میں نے دو صاع دیکر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! " اف اف ایسا نہ کیا کرو یہ تو عین ربا ہے اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے پھر ان کی قیمت سے ان کو خریدتے۔

(مستدرک جلد ۳ ص ۲۸۴)

استقامت اور انکساری

مکہ میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقرار اور تکرار توحید کی پاداش میں بے پناہ شدائد و مصائب برداشت کئے لیکن ان کی استقامت اور صبر میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ لوگ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے صبر و استقامت اور مردانہ وار مصائب و آلام برداشت کرنے کی داستان ستائش کے انداز میں بیان کرتے تو آپ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبانی اپنی تعریف سن کر شرمندہ ہو جایا کرتے اور فرماتے:

''بھائی میں تو ایک ایسا شخص ہوں جو کل تک غلام تھا''۔

ان کی کسر نفسی اور انکساری میں لوگوں کو ان کی نفسی شرافت و محبت کی مہک محسوس ہوتی تھی۔ تواضع و خاکساری ان کی فطرت میں شامل تھی۔ لوگ ان کے فضائل و محاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے:

''میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل معمولی غلام تھا''۔ (سیر الصحابہ جلد دوم ۱۴، ۲۱۴)

صداقت ودیانتداری

صداقت، بے لوثی اور دیانتداری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنادیا تھا انکے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے ایک عربی خاتون کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلال رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آ کر تصدیق کریں گے تو ہم کو بخوشی منظور ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"صاحبو! میں بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بڑا آدمی ہے اگر تم چاہو تو اس کے ساتھ بیاہ دو ورنہ انکار کرو۔ انہوں نے کہا بلال رضی اللہ عنہ تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لئے عار نہیں۔ (سیر الصحابہ بحوالہ مستدرک حاکم)

روایتِ حدیث

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ مدینہ شریف اور شام کے بڑے بڑے تابعین نے احادیث کی روایت کی ہے۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کا تعلق زیادہ تر نماز اور روزہ کے متعلق ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں بے حد محتاط تھے۔ بدیں وجہ اس عاشق مصطفیٰ ﷺ نے دوسرے صحابہ کے مقابلے میں کم احادیث نقل فرمائیں، حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا زیادہ تر حصہ خدمت نبوی میں گزرا۔

المختصر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ توحید الٰہیہ کے دیوانے، شمع رسالت کے پروانے اخلاق نبوی کے عکس، دین اسلام کے مبلغ، علم وعمل کے علمبردار، محاسن واخلاق کے جامع اور بے شمار خوبیوں اور خصائل کے حامل۔ ارفع واعلیٰ مقام پر فائز صحابی رسول تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی خدمت نبوی کے لئے وقف کر دی تھی۔

مقام بلال رضی اللہ عنہ صحابہ کرام اور شعراء کرام کی نظر میں

صدف وار گوہر شناسان راز دہاں نکند بجز گوہر باز

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حیات مبارک لازوال قربانیوں کی داستان طویل ہے۔ ان کی ان قربانیوں کے سبب ان کو بارگاہ رسالت ﷺ میں قرب حاصل تھا اس کی بنا پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ان کو محترم ومحبوب جانتے تھے اور دل سے قدر کرتے تھے۔ ان کے جذبۂ عشق، توحید سے شیفتگی اور رسالت مآب ﷺ سے بے پناہ محبت کی وجہ سے صاحب نظر اہل ایمان ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ یہاں صرف چند امثال پیش خدمت ہیں

تاہم اندھا کیا جانے بسنت کی بہار

سیدنا بلال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی نظر میں

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بے حد و حساب محبت اور شفقت فرماتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی دور غلامی کی قربانیوں کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اکثر اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ان کی تعریف اور ان پر ماضی میں ڈھائے جانے والے مظالم کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی تعریف میں یہ شعر بسا اوقات پڑھا کرتے تھے۔

هنيئا زادک الرحمن خيرا

فقد ادرکت تادک يا بلال

حضرت بلال حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی نظر میں

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بہت احترام فرمایا کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ ان کی بہت قدر کرتے تھے بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کرایا''۔

ایک روز اکابرین قریش حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ، حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر سرداران عرب قبائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو ملاقات کے لئے اندر بلا لیا تاکہ پہلے ان کی بات سنیں۔ ابوسفیان کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور وہ بہت برہم ہو کر ساتھیوں سے بولے۔

''آج جیسا دن ہم پر کبھی نہیں گزرا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں (غلاموں) کو اجازت دے دی اور اندر بلالیا اور ہمیں دروازے پر ہی کھڑے رکھا''۔

اس پر سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ جو زیادہ بردبار اور انصاف پسند تھے نے فرمایا:

''اے میری قوم کے لوگو! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی۔ آج اگر تم کو غصہ نکالنا ہے تو اپنی جان پر نکالو۔ پوری قوم کو اسلام کی دعوت دی گئی اور ساتھ میں تم کو بھی اسلام کا پیغام پہنچایا گیا اور دعوت اسلام دی گئی۔ انہوں نے سبقت کی اور جلدی کی اور تم نے دیر کردی اس دن کیا ہوگا

جب قیامت کے دن وہ بلائے جائیں گے اور تم کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔

(جہاد کشمیر ۳۰ ۱۱۳ اپریل ۱۹۹۸ء ص ۴)

اسلام میں سبقت لے جانے والے اور اللہ کی راہ میں مصائب، و آلام کا سامنا کرنے والے عشاق رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی عظمت اور شان کے پیش نظر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سرداران قریش پر فوقیت دی تھی۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ہجرت مدینہ سے قبل سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنایا تھا اس تعلق کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک روز سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار سے گزر رہے تھے۔ آگے آگے حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ''یا سیدی بلال رضی اللہ عنہ کہہ کر مخاطب کیا۔ بلاشبہ سیدنا حضرت بلال کی شخصیت اہل ایمان وایقان کے نزدیک بہت معزز اور محترم تھی۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ذوالکلاع حمیری

ذوکلاع حمیری قبیلہ حمیر کے رئیس تھے آپ رضی اللہ عنہ یمن اور طائف کے حاکم بھی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ تشریف لائے۔ ان کی جلالت وشوکت کا یہ عالم تھا کہ اسلام قبول کرنے سے قبل اس کے ایک لاکھ ہم قوم اس کو باضابطہ سجدہ کیا کرتے تھے۔ مدینہ میں ذوالکلاع ایک دن سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلام دعا کے بعد عرض کیا کہ ذرا اپنے پاؤں پھیلا دیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ عاشق رسول ﷺ ہیں۔ آپ کے پاؤں دبا کر سعادت حاصل کروں۔

مولانا روم کا سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خراج تحسین

محبت و وفا کے پیکر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے، میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے احساسات کو اپنی مثنوی میں بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

آن بلال صدق در بانگِ نماز	حی راھی خواند از روئے نیاز
تابگفتند اے پیغمبر نیست راست	ایں خطا اکنوں که آغاز نباست
اے نبی والے رسول کر دگار	یک مؤذن که بود افصح بیار
عیب باشد اول دین و صلاح	لحن خواندن حی علی الفلاح
خشم پیغمبر بجوشید و بگفت	یک دور مزیے از عنایات نهفت
کالے خساں نزد خدا حی بلال	بهتر از صد حی حی و قیل و قال
وامشور انید تا من رازِ تاں	دوا نگویم ز آخر و آگازِ تاں
گرنه داری تو دم خوش در دعا	رو دعا می خواه زاخوان صفا

”حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہ صادق شخصیت تھے کو اذان دیتے وقت حی کے لفظ کی ادائیگی ھی لفظ سے کر کے اظہار عجز کرتے۔ لیکن منافقوں نے اعتراض کیا کہ اے پیغمبر ﷺ یہ درست نہیں کہ اسلام کے آغاز میں ہی اتنی بڑی غلطی کردی جائے۔ اس لئے اے اللہ کے رسول ﷺ اور نبی ﷺ ایک ایسا فصیح مؤذن لائیں جو الفاظ کی صحیح ادائیگی کی اہلیت رکھتا ہو۔ دین اور نیکی کے کاموں کے آغاز کے وقت حی علی الفلاح کو غلط پڑھنا عیب بنے گا اس پر پیغمبر ﷺ کا غصہ جوش میں آیا اور اپنی پوشیدہ مہربانیوں کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اے کمینو! اللہ کے نزدیک بلال رضی اللہ عنہ کا ھی، شور وغل کے سینکڑوں حی اور حی کے صحیح تلفظ سے بہتر ہے۔ مجھے جوش نہ دلاؤ ورنہ میں تمہارے رازوں کو اول سے آخر تک فاش کروں گا۔ اگر تم دعا میں اچھا دم نہیں رکھتے ہو تو جا کر اہل صفا سے دعا کے طالب بنو“۔

علامہ اقبال کا نذرانہ عقیدت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حضور

چمک اٹھا جو ستارہ تیرے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا

ہوئی اسی سے تیرے غم کدے کی آبادی
تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لئے
کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کیلئے

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورت سلمان ادا شناس تیری
شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تیری

تجھے نظارے کا مثل کلیم سودا تھا
اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
تیرے لئے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

تیری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید
خنک، دے کہ تپیدد دے نیا سائید

گری وہ برق تیری جاں ناشکیبا پر
کہ خندہ زن تیری ظلمت تھی دست موسیٰ پر

تپش ز شعلہ گرفتند و بردل تو زدند
چہ برق جلوہ نجاشاک حاصل تو زدند

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اذاں ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشاوہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی شبلی نعمانی کے قلم سے

بارگاہ نبوی کے جو مؤذن تھے بلال رضی اللہ عنہ
کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں
جا کے، انصار و مہاجرین سے کہا یہ کھل کے
ہوں غلام ابن غلام اور حبشی زادہ
یہ بھی سن لو کہ میرے پاس نہیں دولت و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے
ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے عذر
گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور
جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر
عہد فاروقی میں جس دن کہ ہوئی ان کی وفات
یہ کہا حضرت فاروق نے بادیدہ تر
اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا
اٹھ گیا آج نقیب چشم پیغمبر ﷺ
اس مساوات پہ ہے معشر اسلام کو ناز
نہ کہ یورپ کی مساوات کہ ظلم اکبر

ایک حق شناس مغربی مؤرخ کے اقوال جن کو شاعر مشرق علامہ اقبال نے منظوم کر کے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ علامہ اقبال اس نظم میں سکندر، رومی اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی کا تضاد یوں پیش کرتے ہیں۔

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
اہل قلم میں جس کا بہت احترام تھا

جولاں گہ سکندر رومی تھا ایشیا
گردوں سے بھی بلند تر اس کا مقام

تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے خام تھا

دنیا کے اس شہنشہ انجم سپاہ کو
حیرت سے دیکھتا فلک نیلی فام تھا

آج ایشیا میں اس کو کوئی جانتا نہیں
تاریخ داں بھی تو اسے پہچانتا نہیں

لیکن بلال رضی اللہ عنہ وہ حبشی زادہ حقیر
فطرت تھی جس کی نور نبوت سے مستنیر

جس کا امیں ازل سے ہوا سینہ بلال رضی اللہ عنہ
محکوم اس صدا کے ہیں شہنشاہ و فقیر

ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوش چرخ پر

اقبال کس عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام

مطلوب ومقصود بندۂ مومن

بندہ حرص وہوا اور بندۂ مومن اگرچہ اسی کائنات کا حصہ ہیں اور دونوں اسی دنیا کے باسی ہیں لیکن کرگس کا جہاں اور شاہین کا جہاں اور بندۂ حرص وہوا کا مطلوب ومقصود ارتکاز دولت وثروت، زیب وزینت، دنیوی اور جائیداد و جاگیر ہوتا ہے۔ وہ خالصتاً مادہ پرست ہوتا ہے۔ اس کے مقصد حیات کا محور و مرکز زیادہ سے زیادہ دنیاوی وسائل کا حصول اور اجتماع ہے۔ مادہ پرستی جاہ وحشمت اور شان وشوکت، دنیاوی سے بے پناہ محبت اس کا شیوہ ہوتا ہے اور یہ سب چیزیں اس کے رگ وریشہ میں سما چکی ہوتی ہیں لیکن اس کے برعکس ایک بندۂ مومن خصوصاً خدا کے محبوب بندگان کی نظر میں دنیوی مال واسباب اور وسائل اگرچہ بے مقصد اور بے کار نہیں تاہم ان کے نزدیک دنیاوی وسائل یقیناً حقیر ضرور ہیں۔ خدا کے محبوب بندوں کا مطلوب ومقصود اور ترجیحات صرف اور صرف خدا کی خوشنودی اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ ان کی اول اور آخر رغبت اور غرض وغائت زندگی ان انعامات کا حصول ہے۔ جو اللہ کے پاس ہیں تفقہ فی الدین، حب الٰہی ورسول، شفقت قرآن وحدیث فقر و قناعت اور تقوی وتوکل ان بندگان خدا کی کتاب، زندگی کا اہم باب ہوتا ہے۔ ہمارے سامنے انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً سردار انبیاء نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور حیات طیبہ ایک کھلی کتاب ہے اور دنیا والوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ دولت وثروت مال وزر اور املاک وجائیداد کے حصول کے لئے کچھ نہیں کیا۔ ساری عمر بوریہ نشینی میں گزاردی جو ملتا اللہ تعالیٰ کی راہ پر خرچ کردیا جاتا اور اکثر آپ ﷺ مال دنیا لوگوں میں تقسیم فرما کر خالی ہاتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں لوٹتے کئی کئی دن چولہا گرم نہ ہوتا۔ اکثر فقر و فاقہ کی حالت میں شب وروز بسر ہوتے۔ حضور اکرم نبی رحمت ﷺ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک دن مسجد نبوی میں خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"خدا نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ یا دنیا کو پسند کرے یا خدا کے پاس جو انعامات ہیں ان کو حاصل کرلے سو اس نے وہی پسند کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔
(بخاری ومسلم)

یہی واقعہ مدارج النبوت (اردو ترجمہ جلد دوم از مولانا عبدالمصطفیٰ محمد اشرف نقشبندی ص ۶۶۲) میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دو باتوں میں سے ایک بات پسند کرے زیب وزینت دنیوی زندگی کی یا اجر وثواب آخرت کا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے"۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ واقعات ایام مرض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سرور عالم ﷺ کے گھر میں سات دینار تھے ظاہر ہے کہ وہ کہیں سے لائے تھے وہ تمام ہی فقیروں میں بانٹ دیئے گئے ان میں سے صرف چھے یا سات درہم گھر میں باقی پڑے تھے۔ پس آنحضرت ﷺ دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک کہ وہ بھی تقسیم نہ فرما دیئے گئے۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سات دینار تھے وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھے ہوئے تھے آپ ﷺ بیمار پڑے تو فرمایا کہ وہ سونا بھیج دو تاکہ تقسیم کر دوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری کے باعث سیدہ وہ کام نہ کر سکیں۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار بے ہوشی عارض ہو جاتی تھی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مشغول ہو جاتی تھیں پس وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج دیئے گئے کہ وہ خرچ (صدقہ وخیرات) کر دیں۔ آپ ﷺ پھر بے ہوش ہو گئے پھر ہوش میں آئے اور پوچھا کیا تو نے وہ صدقہ کر دیئے ہیں۔ سیدہ نے عرض کیا کہ میں نے ابھی نہیں کئے ہیں۔ پس وہ واپس منگوائے اور وہ سونے کے پترے آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں لے لئے اور فرمایا:

"تمہارا کیا گمان ہے کہ محمد ﷺ اپنے پروردگار سے ملے گا تو یہ سونے کے پترے

بھی ساتھ ہی ہونگے۔(مدارج النبوت جلد ۲ ص ۱۱۶۸ بحوالہ البیہقی) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس شب چراغ میں تیل ایک انصاری عورت سے مستعار لے کر ڈالا۔ شاہ دو جہاں رحمت عالم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے بھی اس روش پر زندگیاں گزار دیں خلیفہ اول نے کوئی جائیداد نہ بنائی۔ بڑی سادہ زندگی گزاری اندرے سرویئر نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سادہ زندگی پسند کرتے تھے خلیفہ بن جانے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے غربت کی حالت میں زندگی بسر کی۔ آپ نے جب انتقال فرمایا تو ترکہ میں ایک بوسیدہ قمیص، ایک غلام اور ایک اونٹ چھوڑا (تاریخ اسلام ص ۲۲۱ از پروفیسر غلام رسول) حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ نے بھی وفات کے وقت کوئی خاص جائیداد نہ چھوڑی۔ مرنے سے پہلے اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ میرے بعد میرا قرض ادا کر دینا۔ اگر میرے متروکہ مال میں سے ادا نہ ہو سکے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا اگر ان سے بھی نہ ہو سکے تو کل قریش سے قریش کے علاوہ کسی کو تکلیف نہ دینا۔(شاہ معین الدین ندوی تاریخ اسلام حصہ اول ص ۱۸۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو فقر و قناعت کی حد ہی کر دی تھی آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "دنیا مردار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے اسے کتوں کی صحبت کے لئے تیار رہنا چاہئے (امام نووی حصہ اول ص ۳۴۶) آپ رضی اللہ عنہ مدینہ سے کوفہ منتقل ہوئے تو دارالامارت کی بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا:

"عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں۔ میدان میرے لئے بس کافی ہے"۔

(شاہ معین الدین ندوی خلفاء راشدین ص ۳۵۷)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک معزز صحابی رسول ﷺ تھے آپ رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے صبر و توکل اور فقر و قناعت کی حالت میں زندگی بسر کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تھا کہ کل کے لئے بچا کر نہیں

رکھنا چاہیئے قیام دمشق کے دوران عقیدہ کے اسی اختلاف کے باعث ان کی شان وشوکت اور کروفر سے زندگی کے قائل حاکم شام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے، نہ بن آئی تو آپ رضی اللہ عنہ شام سے نقل مکانی کر گئے۔ شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ لوگوں میں مال و دولت سے رغبت پیدا ہوگئی۔ سادہ لباس کی جگہ پر تکلف ملبوسات کا استعمال شروع ہوگیا۔ فتوحات اور محلات کی تعمیر شروع ہوگئی۔ ابوذر رضی اللہ عنہ یہ محلات دیکھ کر بے چین ہوگئے انہوں نے پوری قوت سے مسلمانوں کو پکارا کہ بھائیو! مال و دولت جمع کرنے اور عش تنعم کی زندگی گزارنے میں ہلاکت ہے۔ غریب لوگ تو ابوذر غفاری کا پیغام سن کر ان پر پروانوں کی طرح گرے لیکن اغنیاء ان سے کھٹکنے لگے۔ اسی بناء پر ان کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ٹھن گئی اور آپ رضی اللہ عنہ ملک شام سے مدینہ پہنچے اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے بعد صحرائے عرب میں ربذہ نامی ویرانے میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں کسمپرسی کی حالت میں وفات پائی۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ان کی رفیقہ حیات اور ایک لڑکی موجود تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ رونے لگیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نحیف آواز میں پوچھا، روتی کیوں ہو، جواب دیا'' آپ رضی اللہ عنہ ایک ویرانے میں دم توڑ رہے ہیں نہ میرے پاس اتنا کپڑا ہے کہ آپ کو کفن دے سکوں نہ میرے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ آپ کی ابدی خوابگاہ تیار کر سکوں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث سنائی اور فرمایا تم باہر جا کر دیکھو کوئی جماعت ضرور آتی ہوگی۔ چنانچہ یمن سے ایک قافلہ اترا جس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے کفن دفن کا بندوبست کیا اور چلے گئے اور ان کے خاندان کو بھی ہمراہ لے گئے۔

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نشۂ توحید میں مست اور عشق رسول ﷺ میں فنا تھے

آپ ہر وقت خدمت نبوی میں تعمیل کے لئے حاضر رہتے اور جو کچھ بارگاہ نبوی سے میسر آتا اسی پر اکتفا کرتے آپ کا یہ معمول حیات طیبہ کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ حضور اکرم ﷺ کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد آپ دمشق کے مضافات میں قصبہ خولان میں جا بسے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرب بارگاہ نبوی کے باعث سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ خصوصاً سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو آپ رضی اللہ عنہ کا بے حد احترام کرتے تھے اور انہیں "یاسیدی بلال رضی اللہ عنہ" کہہ کر خطاب فرمایا کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ "اے بلال رضی اللہ عنہ فقیر اور مسکین کی طرح دنیا سے رخصت ہونا اور مالدار کی حیثیت سے اٹھائے جانے کی تمنا نہ کرنا"۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان صرف بلال رضی اللہ عنہ پر صادق نہیں آتا بلکہ خود رحمت عالم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

"اے اللہ: زندگی میں مجھے مسکین رکھ اور مسکین کی حالت میں موت عطا فرما اور میرا حشر مسکینوں کی جماعت میں فرما"۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد تمام امتیوں کے لئے بھی ہے کہ وہ غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد اور خبر گیری کریں نہ خود مال و دولت جمع کرنے لگ جائیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عاشق رسول سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے محبوب ﷺ کے ارشاد کی کما حقہ تعمیل فرمائی۔ غلامی سے نجات کے بعد مکی زندگی ہو یا مدنی یا پھر قیام شام آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے محبوب آقا سرکار دو عالم ﷺ کی محبت ان کی خدمت اور ارشادات کی تعمیل کو اپنا وظیفہ اور سرمایہ حیات بنائے رکھا اور آخری لمحات تک فقر و قناعت اور مسکینی کی زندگی اپنائے رکھی۔ ان سب حقائق کو اگر سامنے رکھا جائے تو اول تو یہ بات صریحاً نہ صرف غیر حقیقی بلکہ غیر منطقی معلوم ہوتی ہے کہ فتح شام کے بعد سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قطعہ اراضی کے حصول کیلئے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے

درخواست کی ہو جبکہ آپ ایک بے نیاز فاقہ مست بزرگ صحابی تھے پھر یہ بات اور بھی تعجب انگیز دکھائی دیتی ہے کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم خلیفہ راشد نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے معزز و محترم عاشق رسول ﷺ کی درخواست کو حقارت سے رد کر دیا ہو۔ یہ صرف مادیت اور دولت پرست بیمار ذہنیت کی اختراع ہی ہو سکتی ہے ورنہ تاریخ میں تو اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یہ بات بھی ثابت ہے کہ قصبہ خولان میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی کچھ زرعی زمین تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے دینی بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرتے تھے لیکن اس سے صرف باعزت گزر اوقات ہی ہوتی تھی اور یہ حقیقت ہے آپ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی وصیت کے مطابق مسکینی کی حالت میں ہی وفات پائی۔ (واللہ اعلم)

معترض نے عہد خلافت فاروقی میں بلال رضی اللہ عنہ کو شام کے مقبوجات میں قطعہ اراضی دینے سے انکار کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا ہے۔ دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کو کچھ اراضی آبادکاری کی شرط پر دی تھی لیکن بلال نے شرط پوری نہ کی تو اراضی واپس لے لی۔ لیکن واقعہ مذکور سے بلال حبشی کا تعلق نہیں (بحوالہ ارواء الغلیل جلد ۲ ناصر الدین الالبانی)

انسانوں کا جنگل

یہ دنیا بہت وسیع و عریض جنگل ہے۔ انسانوں کا بیکراں جنگل یہاں انسانوں کے اس جنگل میں خاردار جھاڑیاں ہیں۔ دریا ہیں۔ سمندر ہیں اور اس جنگل میں بڑے بڑے غار ہیں۔ پہاڑ ہیں، بہتی ہوئی آبشاریں اور چشمے ہیں کہیں پانی کے اور کہیں مائع تیل کے۔ پہاڑ ہوں یا سمندر دریا یا نہریں غار ہوں یا گھاٹیاں میدان ہوں یا وادیاں ہر جگہ انسانوں کا جنگل ہے۔ اس جنگل میں پھلدار درخت بھی ہیں اور وہ بھی جن کو کوئی پھل نہیں لگتا۔ وہ صرف درخت ہیں۔ اس جنگل میں خوبصورت پھول بھی۔ ملتے ہیں اور یہ پھول کچھ خوشبودار بھی ہوتے ہیں اور کچھ محض خوبصورت پھول ہی ہوتے ہیں مگر ان میں خوشبو نہیں۔ پھل میٹھے بھی اور کڑوے بھی۔ کیا کچھ نہیں انسانوں کے اس جنگل میں۔ یہ جنگل قدرت کا کارخانہ ہے کرشمہ ہے انسانوں کے اس جنگل میں انسان مغرب کا ہو یا صحرائے عرب کا انڈونیشیا کا ہو یا انڈیا کا روس کا ہو یا جاپان کا آخر ہیں تو سبھی انسان۔ پھر قدرت کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کتنا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کے انسانوں کی ساخت ایک جیسی ہونے کے باوجود ہر انسان شکل و صورت میں ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہے۔ ہر انسان کی شناخت اور پہچان الگ الگ ہے لیکن حقیقت میں یہ پہچان شناخت اور معرفت خالق کائنات کی بھی ہے۔ تاکہ انسان یہاں ایک دوسرے کو پہچانیں اپنے خالق کو بھی پہچانیں کہ وہ ایک ہے۔ وحدہ لاشریک ہے اور قادر مطلق ہے۔ مگر انسان بھٹک گیا ہے اور بھٹک جانا اس کی خاصیت ہے اور جب کوئی اتنے بڑے جنگل میں بھٹک جائے تو پھر راہ راست پر آنا کوئی آسان نہیں۔ انسانوں کے اس جنگل میں ہر کوئی تنہا ہے دوسروں سے بیگانہ ہے اور پھر ہر انسان دوسرے انسان سے خوفزدہ ہے دن کو بھی اور رات کو بھی گھر میں بھی اور باہر بھی۔ انسانوں کے اتنے بڑے جنگل میں انسان کا انسان سے دہشت زدہ ہونا

چہ معنی دارد۔ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ استاد رندوں چڑیلوں بھوتوں اژدھوں اور دیگر حشرات الارض سے کبھی دہشت زدہ نہیں ہوا۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان انسان سے محبت کرنے کی بجائے دہشت گردی پر اتر آیا ہے۔ اس جنگل کے انسانوں کی انسانیت مال و دولت کی چکا چوند میں کھوگئی ہے یا پھر شاید انسانیت کسی راکٹ پر سوار ہو کر انسانوں کے جنگل سے رخصت ہوگئی ہے۔ خیر جنگل تو آخر کار جنگل ہی ہوتا ہے۔ انسانوں کے اس جنگل کا ماضی کتنا بھیانک تھا پرانے زمانے میں اس جنگل میں طاقتور شکاری انسان کمزور انسانوں کا شکار کھیلا کرتے تھے اور ان کی گردن دبوچ لیتے تھے انہیں غلام بنا لیتے تھے انسانوں کا غلام بنانا ہر دور میں طاقتور انسانوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ بادشاہوں آمروں اور سرداروں، چوہدریوں، پنڈتوں پروہتوں اور پادریوں کی شکل میں بڑے بڑے خطرناک شکاری تھے امیہ بن خلف ابوجہل اور ابولہب کی شکل میں کیسے کیسے انسانیت، کے شکاری تھے ان کی کیسی ہیبت تھی ان کا کیسا سلوک تھا اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ بادشاہ اور آمر ماضی میں اقوام کو کس کس انداز میں غلام بنا لیتے تھے اور انسانوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے ایسی بربریت خوں آشامی اور تباہ کاریاں کہ الحفیظ والامان۔

چھوٹے پیمانے پر مگر ہر جگہ سرداروں اور چوہدریوں کا رویہ انسانیت سے کیسا تھا۔ پنڈتوں پروہتوں اور پادریوں کے خوبصورت جالوں سے کون واقف نہیں۔ شکاری اس دور میں بھی تھے اور آج بھی غلامی کا رواج ماضی میں بھی تھا اور آج بھی مگر پہلے سے بدتر شکل میں ابولہبی اس دور میں بھی تھی امیہ بن خلف اور ابوجہل اس دور میں بھی خوف و خطر، وحشت و بربریت اور دہشت کی علامت تھے اور آج بھی۔ مگر آخر یہ سب ظالم انسانیت کے بدترین دشمن حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ امیہ بن خلف اور اس کا کوڑا اس کے ساتھ ہی پیوند زمین ہو گیا۔ ابوجہل کی جہالت اور غرور غزوۂ بدر میں خاک و خون میں غلطیدن ہوا۔ مگر حبشی غلام اور اس کے ساتھی آج بھی زندہ ہیں۔ ان کو دوام ہے۔ یہ سب اس انقلاب کا فیض تھا جو دنیا کے مظلوموں کی نجات اور انسانیت کی احیاء اور بقاء کے لئے صحرائے عرب سے اٹھا اور پھر

دیکھتے ہی دیکھتے قیصر و کسریٰ جیسے ان گنت انسان دشمن ظالموں کو بہا کر لے گیا۔ انسانیت کا بول بولا ہوا۔ ملی راحت غلاموں کو یتیموں کو قرار آیا۔

انتہائی سائنسی ترقی اور جمہوریت کے جدید دور میں بھی انسان انسان کا شکار کرنے میں مصروف ہے۔ انسان انسانوں کو غلام بنانے کے لئے سائنسی ترقی کے بل بوتے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے سائنسی ایجادات نے فاصلے سمیٹ دیئے ہیں اور شکاریوں کا کام آسان کر دیا ہے۔ اب نئے شکاری اور نئے جال اور نئے انداز کے ساتھ میدان میں اتر آئے ہیں یہ کام مقامی سطح پر بھی بین الاقوامی سطح پر بھی ہر جگہ جاری ہے۔ آخر یہ تباہ کن اور مہلک ہتھیار کس کام آئیں گے۔ سیم وزر کا ہتھیار لوگوں کو غلام بنانے کے لئے ہر دور میں کامیاب رہا ہے۔ ان شکاریوں کی نظریں اس قطعہ اراضی پر ہیں جہاں سے آج سے چودہ سو سال قبل نورانی انقلاب کی کرنیں پھوٹی تھیں اور ان کا اولین شکار براہ راست مسلم امہ ہے۔

مہلک حربی ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ I.M.F اور ورلڈ بینک کے سنہری جال اس قوم کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے بے تاب ہیں۔ جمہوریت کا خوبصورت نظام جس میں انسانوں کے سر گنے جاتے ہیں۔ انسانوں کو تولا نہیں جاتا۔ اس نظام میں گھوڑے گدھے اور بھیڑ بکری کے سروں کی قیمت ایک ہی ہوتی ہے۔ جمہوریت اہل مغرب کا دنیا والوں کے لئے انسانوں کے جنگل کے لئے ایک خوبصورت تحفہ ہے مگر صرف تعریف کے لحاظ سے۔ یعنی لوگوں کی حکومت لوگوں کے لئے اور لوگوں کی طرف سے۔ بہت خوبصورت چیز ہے یہ۔ لیکن اہل مشرق کو یہ راس نہیں آتی۔ اس دور میں اس نظام کے تحت ہر ایک کو مکمل آزادی ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ کھل کھیل ہے۔ امیہ کا کوڑا یہاں دکھائی نہیں دیتا تاہم ہر طرف غلام ہیں اور امیہ کے ان گنت خفیہ ہاتھ۔ کلاشنکوف ہے۔ جو کوڑے سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ ووٹر سے ظاہری طور پر ووٹ مانگے جاتے ہیں اور گن پوائنٹ پر حاصل کئے جاتے ہیں۔ کمزور امیدواروں کو بیلٹ سے نہیں بلٹ کے خوف سے راستے سے ہٹایا جاتا ہے۔ اور ایک طاقتور اور خطرناک امیدوار بلا مقابلہ منتخب قرار دیا جاتا ہے۔ جس کو عوام منتخب

ہی نہ کریں وہ عوام کا منتخب نمائندہ کیسے ٹھہرا۔ بلا مقابلہ منتخب امیدواران کے حق میں اور مخالفت میں ووٹنگ ہو اور بھاری اکثریت اس کے حق میں بلا کسی دباؤ کے ووٹ ڈالے تو اس کو بلا مقابلہ نمائندہ قرار دیا جانا درست ہے ورنہ............

پاکستان میں ۱۹۷۱ء میں منصفانہ انتخابات ہوئے تھے پھر مشرقی پاکستان کے حالات دگرگوں ہوئے ملٹری اپریشن کے بعد خالی نشستوں پر ضمنی انتخابات ہوئے۔ یہ خوف و ہراس کا دور تھا۔ بہت سے لوگ بلا مقابلہ منتخب ہوئے اور پھر کیا ہوا۔ سب کو معلوم ہے اور تاریخ کے اوراق کے سینے پر محکم طور پر نقش ہے تا کہ اس جنگل کے انسان عبرت حاصل کریں۔ سبق سیکھیں اور توبہ کریں۔ مگر جنگل میں کون کسی کی سنتا ہے۔ جمہور کے الیکشن ہوتے ہیں گن بردار لوگوں کو کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں:

''اوئے توں ایس پنڈ وچ رہنا ئیں۔ جے توں ساڈی گل نہیں منی تے ایدا نتیجہ چنگا نہیں ہووے گا''۔

پولنگ کے موقع پر بیلٹ پیپرز کی کاپیاں چھیننے اور تھیلے لے اڑنے کی خبریں بھی آتی ہیں۔ امیہ اور ابولہبی ہر دور میں انسانوں کے جنگل میں طاقتور رہی ہے۔ لیکن بات ہر امیہ ہر ابوجہل اور ابولہب کو یاد ہونی چاہیئے کہ مظلوموں اور غلاموں کی آہ سرد یا آہ گرم آخر کار پورے جنگل کو جلا کر خاکستر کر دیا کرتی ہے۔

دنیا کے اس جنگل میں کتنی تاریکی ہے ظلمت ہے اور ہر طرف خوف و ہراس کے مہیب سائے گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ انسانیت خوف زدہ ہے ہر کوئی پریشان ہے یہ کیسی جمہوریت ہے اور کیسا نظام ہے۔

انسانوں کے اس جنگل میں میں بھی اکیلا ہوں اور میری طرح تم بھی اور دنیا کے سارے انسان تنہا ہیں۔ خوف ہے دہشت ہے اور ہر طرف وحشت رقص کناں ہے۔ دیکھئے شب تاریک سے سپیدۂ سحر کے آثار مشرق سے نمودار ہو رہے، ہیں ہوسکتا ہے صبح ہوتے ہی شاید سپیدۂ سحر کی نورانی کرنیں میرے ہمارے اور ہم سب کے نہاں خانوں اور دلوں کی

تاریکی کو مٹا کر انہیں روشن کر دیں اور ہماری قسمت کا ستارہ چمک اٹھے۔ آیئے اس دنیا کے جنگل میں رہنے والے سبھی ایک ہو جائیں۔ پیار اور محبت کی جوت جگائیں۔ تاریکی اور نفرت کو مٹا ڈالیں آخر سبھی فرزندان آدم ہیں ہم سب کا خدا ایک ہے پھر ایک رسول اور ایک قرآن۔ یہ درس بھول گیا ہے انسان اور اس کی قسمت سے کھیل رہا ہے۔ یقیناً شیطان، انسان کا لفظ یہاں نسیان کے معنی رکھتا ہے وہاں اس لفظ کو چھوڑ دیں اور پیار و محبت کا راستہ اپنائیں اسی میں انسان کی بقا اور فلاح ہے۔ کتنا خوبصورت اور پیارا راستہ ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کر پائے تو یاد رکھئے خوفناک گرج کڑک اور بجلی کی وحشت ناک چمک اور سیاہ بادل ہم سب کو انسانوں کے اس سارے جنگل کو گھیرے میں لینے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ جس طرح قوم نوح کو انہوں نے گھیر لیا تھا۔ جیسا کہ قوم عاد و ثمود سے ہوا تھا۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔

(آمین)

تشکر و دعا

میں ممنون ہوں (بے حد وحساب) خداوند قدوس کا جس نے مجھے انسانوں میں سے ایک انسان پیدا کیا۔ اگرچہ میں بچپن میں ہی معذور ہو گیا تھا مگر میں مشکور ہوں قادر مطلق رحیم و رحمٰن خالق کائنات کا کہ اس نے میری معذوری کا مداوا بڑے احسن طریقے سے کیا۔ زمین پر چلنے پھرنے کے لئے میرے دائیں ہاتھ میں لکڑی کا بے جان ڈنڈا تھما دیا جو میرے نحیف بدن کے بوجھ کو زندہ اور صحت مند انسانوں کے مقابلے میں زیادہ بردباری سے اٹھائے رکھتا ہے اور میں اس کی مدد سے جب چاہوں اللہ کی زمین پر چل پھر لیتا ہوں میں خدائے ذوالجلال والاکرام کا بے حد مشکور ہوں کہ اس نے میری معذوری کا احساس ختم کرنے کے لئے مجھے تحفے کے طور پر علم و عرفان کا خوبصورت تحفہ عطا فرمایا اور مجھے تاریکی اور جہالت سے نکالا۔

میں خدائے بزرگ و برتر کا اس لئے بھی مشکور ہوں کہ اس نے میرے ایک ہاتھ میں ڈنڈا دیا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں قلم بھی تھما دیا تاکہ میں لکھنا پڑھنا سیکھوں۔ ذات باری تعالیٰ کی حمد وثناء اور مدح سرائی میں قلم بروئے کار لاؤں۔ میں باری تعالیٰ کا بہت احسان مند ہوں اس نے مجھے ایمان وایقان کی دولت سے مالا مال کیا حضور سرور کائنات ﷺ کا امتی ہونے کا شرف بخشا۔ حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ اکرم سے محبت کا شاندار جذبہ عطا فرمایا۔

میں ذات الٰہی کا ممنون و مشکور ہوں کہ اس نے مجھے "قرآن کے صوتی اثرات" اور "تاریخ اسلام" پر قلم اٹھانے کی ہمت اور توفیق بخشی۔ (یہ دونوں کتب طباعت کے آخری مرحلے میں ہیں)۔

میں کیسے اس ذات کریم کا حق تشکر ادا کروں جس نے مجھے، خادم رسول ﷺ امام المؤذنین سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت اور عالی مقام صحابی رسول ﷺ

کے حالات زندگی رقم کرنے کی طاقت اور توفیق عطا فرمائی۔ آج جب میں یہ آخری سطور لکھ رہا ہوں تو اپنے آپ کو کتنا خوش نصیب محسوس کر رہا ہوں۔

میں خدا تعالیٰ کے بعد اس کے بندوں کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے زندگی کے سفر میں کسی نہ کسی موقع پر میری مدد کی خاص طور پر حصول تعلیم کی جدوجہد میں۔ میں اپنے شفیق والد گرامی اور بے حد مہربان والدہ ماجدہ کا نہایت ادب واحترام سے مشکور ہوں جنہوں نے نہایت شفقت اور پیار سے مجھے پالا اور نامساعد حالات میں حصول تعلیم میں میری مدد فرمائی اور ہمیشہ میرے لئے میری کامیابی کے لئے دعا گو رہے۔

آج جب میں ان کے فیضان سے ان سے دور یہ سطور لکھ رہا ہوں تو وہ مجھے بہت یاد آرہے ہیں اور میں تصور میں ان کو ان کی ابدی خواب گاہوں میں لیٹے ہوئے عجیب سا محسوس کر رہا ہوں۔ جیسے میں نے سب کچھ کھو دیا ہے۔ میرے پاس ان کیلئے آنسوؤں اور دعاؤں کے سوا کچھ بھی تو نہیں۔ خدا انہیں جنت فردوس میں جگہ دے۔

میں مشکور ہوں محترم ماسٹر ارشد صاحب، حافظ مشتاق صاحب اور ڈاکٹر حفیظ صاحب اور کالج کے لائبریرین فیاض احمد بخاری صاحب کا جنہوں نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کتاب لکھنے اور مواد فراہم کرنے میں خلوص دل سے میری معاونت کی۔ میں ان تمام اپنے اور بے گانوں کا از حد ممنون ہوں جنہوں نے مجھ سے میری معذوری کے باعث نفرت کی میری کاوشوں کو حسد کی نگاہ سے دیکھا اگر یہ لوگ ایسا رویہ اختیار نہ کرتے تو شاید مجھے زندگی کے سفر میں آگے بڑھنے کے لئے جدوجہد کا احساس نہ ہوتا اور یقیناً زندگی کی دوڑ میں میں بہت پیچھے رہ جاتا اور شاید لوگوں کے پاؤں تلے روند دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی نفرت اور حقارت جو وہ میرے بارے میں اپنے دلوں میں رکھتے تھے کو بروقت دیکھ لیا اور اس نے کرم کیا میرے لئے دروازے کھول دیئے اور میں ترقی کی راہ پر چلنے لگا۔ مجھے ماضی کی ہر چیز ہر واقعہ اور تمام چہرے ان پر پائے جانے والے اندر کے احساسات یاد ہیں اور میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ خدا ہر ایک کو ہدایت دے۔

آخر میں اس شخصیت کا تہہ دل سے مشکور ہوں جس نے عجیب انداز میں ایک مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسلام اور صحابہ کرام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اعتراضات کی شکل میں کیا۔ اس کی اس گفتگو نے مجھے میری کم علمی اور کم مائیگی کا شدید احساس دلایا۔ اس وقت اس کی گفتگو مجھے واقعی ناگوار گزری لیکن اگر وہ یہ ناگوار گفتگو نہ کرتا تو شاید مجھے اپنی حیثیت کا کبھی احساس نہ ہوتا۔ میں اس کا ایک بار پھر احسان مند ہوں کہ اسی کی وجہ سے اس کار خیر پر آمادہ ہوا کہ میں سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حالات زندگی پر مبنی ایک کتاب لکھوں آج مجھے خوشی ہے کہ میں نے یہ نیک کام مکمل کر ہی لیا۔

میں بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ مجھے اور میرے اہل وعیال کو سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے صدقے شیطان حاسدین، ظالموں اور ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رکھے ہمارے ایمان محفوظ رہیں دنیا اور آخرت میں عزت و بخشش عطا فرمائے۔

اے باری تعالیٰ تو مجھ سے اور میری ذریت سے تمام برائیاں دور کر دے اور بری عادتوں سے چھٹکارا دلا دے۔ تو بڑا ہی غفور رحیم ہے التواب الرحیم ہے۔ شفیق ہے اور بے نیاز ہے تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے تو جسے چاہتا ہے ذلیل وخوار کرتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہے اور تو بلاشبہ حی وقیوم ہے۔ دنیا کی ہر چیز فانی ہے تو ہی ہمیشہ قائم رہنے والا خدا ہے۔ تو بے نیاز اور تمام کائنات تیری ہی محتاج ہے۔

اے رب العٰلمین ساری کائنات کے وارث خدا!

تیرہ وتاریک شب میں ہماری راہ نمائی فرما۔ ہمیں قرآن کریم کے نور اور سرور کائنات ﷺ کی حیات طیبہ کی روشنی وروش میں اس صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرما جس کا ذکر تو نے سورۃ فاتحہ میں فرمایا۔ ہمیں دین اسلام کا پیروکار بنا۔ ہمیں قرآن سے روشنی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما تا کہ تیرے دین کے لئے اور عالم اسلام خصوصاً پاکستان کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے اہل ہو جائیں۔ پاکستان جس کی اساس دین اسلام سے اٹھائی گئی اور جس کی بنیاد اسلام ہے۔ اس مملکت عظیم کے اندھیروں کو مٹانے اور بت کدوں

کوگرانے کی ہمت عطا فرما۔ ہمارے اذہان وقلوب میں جذبہ توحید، وجدان اور وہ کیف و مستی پیدا کر۔ جو تو نے خادم رسول ﷺ اور عاشق نبی محترم ﷺ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی کو ودیعت فرما کر انہیں بہت بلند کر دیا تھا۔ اور ہمیں نجات دے غلاموں کی غلامی سے جو مسلمان ہوتے ہوئے وائٹ ہاؤس کے اندھیروں سے روشنی حاصل کرنے کے لئے ہر لمحہ بے تاب رہتے ہیں اور ہمیں ہمت وتوفیق عطا فرما سچائیوں کے اقرار کی اور اندھیروں سے انکار کی۔

اے بزرگ و برتر خدا! ہمیں ان مذہب پرستوں سے نجات دے جو تیرے دین کے نام پر مسلم امہ کو فرقہ بندیوں میں الجھائے ہوئے ہیں اور ہمیں نجات عطا فرما۔ ان سیاسی بھوتوں سے جن کے شر اور جھوٹ سے ہم ہی نہیں ہماری آنے والی نسلیں بھی خوف زدہ ہیں...... اور یارب دیکھ کتنی تاریک رات ہے تیرے نبی ﷺ کی امت کو گھیرے میں لئے ہوئے اور کتنی تیز ہوا ہے میرے ہاتھ میں مدھم سی روشنی والا لیمپ جس کا شیشہ بھی ایک سرے سے قدرے ٹوٹ چکا ہے اس تاریکی اور تند و تیز ہوا کے تھپیڑوں کا کب تک مقابلہ کرتا رہے گا اور امید کی کرن ثابت ہوگا۔ میں تیری رحمت سے ناامید نہیں ہوں کیوں اندھیری شب سے ہی آخر سپیدۂ سحر کی نمود ہوتی ہے اور امید کی صبح تاباں کا ظہور ہوتا ہے۔

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے اور روح کو تڑپا دے

Scanned with CamScanner